ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

1105

بچوں کا اسلام

اتوار 6 ربیع الثانی 1445ھ
مطابق 22-اکتوبر 2023ء

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

محبت کا سلیقہ

موچی بن گیا کھوجی

اب سب ہیں ٹوٹ بٹوٹ میاں!

القرآن

دانائی، شفقت اور پاکیزگی

حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا:
پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دیجیے۔ فرمایا: نشانی یہ ہے کہ تم صحیح وسالم ہو کر تین رات دن لوگوں سے بات نہ کر سکو گے، پھر وہ عبادت کے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو اُن سے اشارے سے کہا کہ صبح وشام اللہ کو یاد کرتے رہو۔ اے یحییٰ! (ہماری) کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور ہم نے اُن کو لڑکپن ہی میں دانائی عطا فرمائی تھی۔ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی (دی تھی) اور وہ پرہیزگار تھے۔ (سورۂ مریم، آیات: 10 تا 13)

الحدیث

پاکدامنی کی دُعا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دُعا مانگنے کا معمول تھا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَ التُّقٰی وَ الْعَفَافَ وَ الْغِنٰی۔

"اے اللہ! میں آپ سے ہدایت، تقویٰ، پاک دامنی اور غنیٰ کا سوال کرتا ہوں۔"

(صحیح مسلم)

میں کچھ نہیں بھولتا

فائزہ حمزہ

میں کچھ نہ بھول کر بھی کچھ بھول رہا تھا

میری یادداشت کا امتحان لینے والے ہمیشہ ہی پچھتائے۔ ایسا اس لیے ہے کہ میرا دماغ سب کے خیال کے مطابق کمپیوٹر کی طرح اور میرے مطابق کمپیوٹر سے بھی زیادہ تیز چلتا ہے۔

میں کبھی بھی کچھ نہیں بھولتا۔ اب اسے میری قسمت کہیے یا کچھ اور۔ میرا ذہن میری موجودگی میں ہونے والے ہر منظر اور واقعے کو اس طرح یاد رکھتا ہے جیسے آج کل کا میموری کارڈ۔

لوگ کبھی کبھی میرے انسان ہونے پر شک کرتے ہیں کیوں کہ انسان، نسیان سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں بھول جانے والا، اب میں کچھ بھول جاؤں اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ حسد کرتے، کچھ رشک اور میں فخر سے مسکرا دیتا ہوں گو کہ فخر کرنا اچھی بات نہیں لیکن اگر کوئی میرے جیسا ہو تو فخر کرنا اس کی مجبوری ہے۔

اپنی اس یادداشت کے بل بوتے پر میں نے زندگی میں فقط کامیابیاں اور کامرانیاں ہی دیکھیں۔ ایک لمبی فہرست ہے ان تمغوں کی جو میں نے زندگی کے ہر مرحلے میں حاصل کیے۔

میری یادداشت غیر معمولی تھی، میں کچھ بھی نہیں بھولتا تھا اور اس پر میں غیر ذمہ دار اور لاپروا بھی نہیں تھا۔ اپنی تعلیم اور کیریئر پر میں نے کبھی سمجھوتا نہیں کیا۔ میں نے اپنی یادداشت اور خداداد صلاحیتوں کے بل پر انتھک محنت کی۔ تعلیمی مدارج طے کرتے ہوئے میرا ہدف صرف اور صرف ٹاپ کرنا ہوتا تھا۔ نہ فرسٹ، نہ سیکنڈ اور پھر واقعی میں ٹاپ ہی کرتا۔ پہلے پہل اسکول میں، پھر شہر کے تمام اسکولوں میں، پھر صوبے بھر میں ٹاپ کر لیتا تھا۔

پھر جب اپنا کیریئر شروع کیا تو یادداشت کے ساتھ ساتھ بلاشبہ آخری حد تک محنت کی، اس کے ساتھ ساتھ میں کچھ خودغرض اور مفاد پرست بھی تھا۔ ہوسکتا ہے یہ ٹھیک بات نہ ہو لیکن میرا خیال ہے ٹاپ کرنے کے لیے یہ ضروری ہے۔ میں لوگوں کے حالات اور ان کی خامیوں اور خوبیوں کو اپنے دماغ کی ڈائری میں جوں کا توں اُتار لیتا۔ پھر وقتاً فوقتاً اپنی ضرورت کے تحت ان کو استعمال میں لاتا۔ کسی کو نیچے گراتا کسی کو اُوپر اُٹھاتا۔ میں ہر طرف سے کامیابی سمیٹتا۔

آپ مجھے اپنے منہ میاں مٹھو کہہ رہے ہوں گے یا پھر انتہا درجے کا خود پسند لیکن میں خود پرستی میں کیسے مبتلا نہ ہوتا کہ بچپن سے میری یادداشت فوٹوگرافک تھی۔ مجھے دفتر کی فائلوں میں موجود فگرز، دفتر کے ہر کمپیوٹر کا پاسورڈ، یونیورسٹی میں لوگوں کی گاڑیوں کے نمبرز، کالج کی لائبریری کی کتابوں کی تعداد اور نام حتیٰ کہ اسکول لائف میں ہر کلاس فیلو کے نام اور ولدیت بھی ابھی تک یاد ہیں۔

ایسی یادداشت ہوگی تو لوگ ہاتھوں ہاتھ ہی لیں گے ناں۔ میں نظرانداز ہونے والی چیز تھا ہی نہیں۔ کالج میں ہی اساتذہ نے میرے بہت آگے جانے اور ترقی کرنے کی پیش گوئی کر دی تھی اور جب یونیورسٹی میں تھا انگریزوں کی ٹیم کو میں نے اتنا متاثر کیا کہ ابھی طالب علمی کے دور ہی میں وہ مجھ سے خدمات لینا چاہتے تھے اور اس کا معاوضہ بھی ہزاروں نہیں لاکھوں میں تھا۔

میں نے فنانس کا شعبہ اختیار کیا، برطانیہ کی ہائی کمشنر سے میری براہ راست ملاقاتیں ہوتیں۔ وہ سب مجھ سے بہت متاثر تھے، جب لوگ میرے آگے پیچھے اس طرح گھومتے جیسے لٹو، تو پھر میں کیسے لوگوں کو جوتے کی نوک پر نہ رکھتا؟

میں نے ہر طرف دولت، شہرت، عزت، محبت کے انبار ہی دیکھے۔ اس کے باوجود میں کسی کا ایک روپیہ، کسی کا لہجہ، کسی کی زیادتی، کسی کے تاثرات بھی نہ بھولتا۔

پھر اپنی ذاتی زندگی میں بھی، میری یہ کامیابیاں میرے لیے فائدہ مند رہیں۔ لوگ مجھ سے خوش رہتے، دولت اور شہرت کی وجہ سے خاندان والے عزت کرتے۔ میں ایک ایسی کمپنی میں اتنے بڑے عہدے پر تھا کہ یورپ کے مشہور ممالک برطانیہ، امریکا، اٹلی، اسپین، فرانس، جرمنی کے بڑے بڑے لوگ میرے آگے کچھ نہیں تھے۔ میں بہت سوں پر ایسی حکمرانی کرتا کہ جب چاہے جس کو اوپر کروں اور جس کو چاہے نیچے۔

پھر صحیح وقت پر میری شادی بہت اچھی جگہ ہوگئی۔ میرے بیوی بچے بھی مجھ سے خوش تھے۔ میں بہت ہی خوشحال تھا، ہر جگہ میں نے کامیابی کے جھنڈے گاڑے۔ جو میری ترجیحات تھیں میں نے انھی کا تعاقب کیا۔ کیا میں کچھ بھولا؟ نہیں تو، ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

☆.....☆

آج قیامت کا دن ہے۔ مجھے کبھی کبھی لگتا تھا کہ میں کچھ بھول رہا ہوں لیکن میرے غرور اور زعم نے اس احساس کو ختم کر دیا تھا، اب مجھے لگتا ہے سب سے اہم چیز جو میں بھول گیا۔ "وہ یہی دن تھا۔"

☆.....☆

مختصر پُراثر

اپنی کوئی ملک نہ املاک سمجھنا:

حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ تعالیٰ مشہور تابعی ہیں۔ اُن کے زہد وتقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی کے یادگار واقعات تاریخ کی کتابوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ صاحبِ فراش ہوگئے۔ ایک بار انھیں مرغی کے گوشت کی خواہش ہوئی۔ چالیس دن تک اس کا اظہار نہیں کیا، اس کے بعد بیوی سے کہہ دیا۔ انھوں نے مرغی منگوائی، عمدہ پکائی گئی، اور آپ کے سامنے پیش کی گئی۔ ابھی آپ نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازے سے فقیر نے خیرات کی صدا لگائی۔ آپ نے ہاتھ کھینچا اور اہلیہ سے فرمایا: ''یہ فقیر کو دے آؤ۔''

اہلیہ نے کہا: ''میں فقیر کو اس سے بہتر چیز دے آتی ہوں۔''

فرمایا: ''وہ کیا؟''

کہنے لگیں: ''اس کی قیمت۔''

فرمایا: ''یہ کھانا اور قیمت دونوں اس فقیر سائل کو دے آؤ۔ [غلام قادر]

تین عادتیں:

عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماء بن خارجہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ مجھے تمہاری بعض عادتیں بہت اچھی پہنچی ہیں، تم اپنے معمولات مجھے بتاؤ۔ انھوں نے عذر کردیا کہ میری کیا عادت اچھی ہوسکتی ہے، دوسروں کی عادتیں بہت بہت اچھی ہیں اُن سے دریافت کریں، مگر جب انھوں نے بہت اصرار سے قسم دے کر پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ مجھے تین چیزوں کا ہمیشہ اہتمام رہا۔ ایک یہ کہ کبھی کسی بیٹھنے والے کی طرف میں نے پاؤں نہیں پھیلایا۔ دوسرے جب میں نے کھانا پکایا اور اس پر لوگوں کو بلایا تو ان کھانے والوں کا میں نے اپنے اوپر احسان اس سے زیادہ سمجھا، جتنا میرا اُن پر ہو۔ تیسرے جب مجھ سے کسی ضرورت مند نے کوئی سوال کیا تو میں نے اس کے دینے میں کسی مقدار کو بھی زائد نہیں سمجھا۔ جو کچھ دیا، اسے ہمیشہ کم ہی سمجھتا رہا۔

دولت:

دولت مسلمان کے لیے ایسی چیز ہے جیسے کشتی کے لیے پانی۔ پانی کے لیے لازم ہے کہ کشتی سے باہر رہے اندر نہ آئے۔ باہر رہے گا تو کشتی کو تیرائے گا، اندر آئے گا تو ڈبوئے گا۔ اسی طرح دولت کی محبت انسان کے دل سے باہر رہے گی تو اللہ کا فضل اور دل میں گھس آئے تو اللہ کا عذاب ہے۔ [نذیر خان۔ کوٹ غلام محمد]

غلام کا شاگرد:

ایک دفعہ ایک شہر میں سخت قحط پڑا اور لوگ بھوک سے مرنے لگے۔ ایک بزرگ بازار سے گزرے تو ایک غلام کو نہایت خوش باش دیکھا۔ بزرگ نے کہا کہ اے غلام! یہ خوشی اور مسرت کا کون سا موقع ہے؟ کیا تو نہیں دیکھتا کہ مخلوقِ خدا کی بھوک سے کیا حالت ہورہی ہے؟ غلام نے کہا، مجھے کیا ڈر ہے؟ میں تو کسی کا غلام ہوں اور میرے مالک کے پاس غلہ موجود ہے، وہ ہرگز مجھے بھوکا نہیں رکھے گا۔ ایک غلام کی زبان سے یہ الفاظ سن کر اس بزرگ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور حالت غیر ہوگئی اور کہا: ''الٰہی! یہ شخص اپنے اُس مالک کی وجہ سے جس کے پاس غلہ کی چند بوریاں ہیں اِس قدر خوش اور بے فکر ہے اور میرا مالک تو تُو ہے جو دونوں جہانوں کا مالک ہے اور سب کو روزی دینے والا ہے، بھلا میں کیوں غم کھاؤں۔''

اُس وقت سے انھوں نے اللہ پر بھروسا اور اللہ کی اطاعت پر زیادہ توجہ دی۔ وہ بزرگ کہتے تھے میں ایک غلام کا شاگرد ہوں۔ [اہلیہ مفتی ولی اللہ۔ کراچی]

تبت سنو:

مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے بھولے بھالے اور سیدھے سادے آدمی تھے۔ ہر وقت دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف لگا رہتا اور کثرت سے مطالعہ کرتے۔ ایک بار اپنے ایک جاننے والے کے ہاں تشریف لائے۔ انھوں نے اپنے صاحبزادے سے کہا کہ حضرت حج کے لیے تشریف لے جارہے ہیں، اس کے لیے کچھ ضروری چیزیں چاہییں، تم ان کے ساتھ بازار چلے جاؤ۔ جب شام کو واپس تشریف لائے تو حضرت فرمانے لگے کہ میں نے دیکھا کہ جگہ جگہ سڑکوں پر بورڈ لگے ہیں اور ان پر لکھا ہے: ''تبت سنو!'' کہیں یہ نہیں لکھا: ''قل ہواللہ'' سنو، یہ کیا بات ہے؟ ان صاحب نے کہا: ''حضرت! آپ کے پڑھنے میں غلطی ہوئی ہے یہ تبت سُنو نہیں تبت سِنو (Tibet snow)، یہ ایک کریم کا نام ہے۔ فرمانے لگے، تب ہی مجھے تعجب ہورہا تھا کہ جگہ جگہ یہ کیا لکھا ہوا ہے؟ [ابواحمد، کراچی]

☆☆☆

آپ کتنے پانی میں ہیں؟ ۲۰

درج ذیل سوالات کے جوابات سوچیے، پھر انھیں ایک کاغذ پر لکھ کر رکھ لیں۔ اگلے ہفتے کے شمارے میں جوابات شائع ہوں گے تو اس سے اپنے جوابات ملا لیجیے۔

آپ کو بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ آپ کتنے پانی میں ہیں.....!

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شام کے تجارتی سفر میں جانے والے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام کا نام بتایئے؟

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے عمرے کیے؟

(۳) طائف کا مکہ مکرمہ سے فاصلہ کتنا ہے؟

(۴) اسلام قبول کرنے والے اسنوکر کے سابق برطانوی عالمی چیمپئن کا نام بتایئے؟

(۵) ایٹم کے مرکزے (نیوکلیس) کے گرد کون سا ذرہ گردش کرتا ہے اور کس رفتار سے؟

☆☆☆

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 1500 روپے بیرون ملک ایک میگزین 22000 روپے دو میگزین 25000 روپے انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

سعید لخت

موچی بن گیا کھوجی

انتخاب: سید جمیل احمد وارثی

شہر بغداد کے محلہ جیلان میں ایک موچی رہتا تھا۔ نام تھا اس کا حارث بن وارث۔ بہت صابر و شاکر آدمی تھا، لیکن اس کی بیوی سدرہ بہت بے صبری اور ناشکری تھی۔ ہر وقت اپنے میاں کو طعنے دیتی رہتی کہ تم نکمے ہو، کاہل ہو، اتنے تھوڑے پیسے کماتے ہو کہ بہت مشکل سے گزارا ہوتا ہے۔ یہ پیشہ چھوڑ کر کوئی دوسرا پیشہ اپناؤ کہ کچھ پیسے تو ملیں۔

ایک دن سدرہ نے بہت چخ چخ کی تو حارث بولا:

''اچھا پھر تم ہی بتاؤ، میں کیا کروں؟''

''ایسا کرو، نجومی بن جاؤ۔'' سدرہ بولی: ''کل میں بازار گئی تو وہاں مجھے حاتم نجومی کی بیوی مل گئی۔ اف کیا ٹھاٹ تھے اُس کے، میں تو حیران رہ گئی۔ آگے پیچھے دو دو نوکر تھے اس کے۔ کپڑے ایسے پہنے تھے کہ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے ہوں گے۔ اس نے ایک دکان سے پانچ ہزار کا ایک قالین خریدا۔ ہمیں تو پانچ روپے کی دری بھی نصیب نہیں، دیکھو حارث! میری مانو تو تم بھی نجومی بن جاؤ۔''

''اری نیک بخت!'' حارث سر پکڑ کے بولا: ''مجھے تو علم نجوم کی الف بے کا بھی پتا نہیں۔ میں نجومی کیسے بن سکتا ہوں، ویسے بھی یہ علم کیا ہے، نری دھوکا دہی اور بے ایمانی ہے۔''

''ارے جب وہ حاتم کا بچہ نجومی بن سکتا ہے تو تم کیوں نہیں بن سکتے؟'' سدرہ تنک کر بولی: ''اور میں یہ دھوکا وو کا کچھ نہیں جانتی، بس میں نے کہہ دیا ہے، کل سے تم موچی نہیں، نجومی ہو گے۔''

حارث نے بیوی کو سمجھانے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ بھی اپنی ضد کی پکی تھی، کسی طرح نہ مانی۔ حارث بھی کون سا پرہیزگار تھا، بیوی نے زیادہ اصرار کیا تو اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

دوسرے دن صبح سویرے حارث نے چوغہ پہنا، کمر میں پٹکا باندھا، سر پر عمامہ (صافہ) رکھا اور بازار جا کر ایک بند دکان کے تھڑے پر بیٹھ گیا۔

''آیئے صاحبان، آیئے۔ اپنی قسمت کا حال معلوم کیجیے۔ آیئے، آیئے۔ شرمایئے گھبرایئے مت، میں بہت پہنچا ہوا نجومی ہوں۔''

آن کی آن میں اس کے گرد لوگوں کا مجمع لگ گیا۔

اس مجمع میں بغداد کا ایک مشہور جوہری بھی تھا۔ وہ لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا حارث کے پاس آیا اور بولا:

''یا شیخ! میں ایک جوہری ہوں۔ بادشاہِ سلامت نے مجھے اپنا تاج پالش کرنے کے لیے دیا تھا۔ اُس کا ایک ہیرا غائب ہو گیا ہے۔ اگر وہ ہیرا نہ ملا تو میں بے موت مارا جاؤں گا۔''

''ہوں!'' حارث آسمان کی طرف دیکھ کر بولا: ''تمھارا ستارہ گردش میں ہے۔ اسے گردش سے نکالنے میں ایک گھنٹہ لگے گا۔ اب تم جاؤ، ایک گھنٹے بعد آنا۔''

یہ سن کر جوہری واپس پلٹ گیا۔

کہنے کو تو حارث نے یہ کہہ دیا تھا، مگر دل میں سخت گھبرا رہا تھا کہ ہیرے کے چور کا پتا کیسے چلاؤں گا۔ میرے تو فرشتوں کو بھی معلوم نہیں کہ چور کون ہے اور ہیرا کہاں ہے؟

اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بولا:

''اری سدرہ! تُو نے اپنے شوہر کو کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے؟''

اتفاق کی بات ہے کہ اِس وقت جوہری کی بیوی بھی شوہر کے ساتھ ہی تھی۔ شوہر سے ایک قدم پیچھے چلتے ہوئے اس نے یہ بات سن لی اور اتفاق کی بات کہ اُس کا نام بھی

سدرہ تھا۔

ہیرا اسی نے چھپایا تھا، حارث کی یہ بات سن کر وہ سمجھی کہ اس نجومی کو معلوم ہو گیا ہے کہ ہیرا میں نے لیا ہے۔

وہ تھر تھر کانپتی ہوئی جلدی سے پلٹی اور حارث کے چوغے کا دامن پکڑ کر آہستہ سے بولی:

"یا شیخ! مجھے معاف کر دیجیے۔ میں اس جوہری کی بیوی ہوں۔ میں نے ہیرا چرانے کی نیت سے نہیں لیا تھا۔ میں اسے صرف دیکھنا چاہتی تھی۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیسے واپس کروں؟"

حارث نے کہا: "جو لوگ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے، سچے دل سے توبہ کرتے ہیں، خدا انھیں معاف کر دیتا ہے۔ اب تم فوراً گھر جاؤ اور وہ ہیرا چپکے سے اپنے خاوند کے چوغے کی جیب میں ڈال دو۔"

جوہری کی بیوی تیزی سے شوہر کے پیچھے چلی گئی۔

ایک گھنٹے بعد جوہری واپس آیا تو حارث نے بڑے اعتماد سے کہا:

"تمھارے ستارے کی چال کچھ بگڑی ہوئی تھی، اب میں نے ٹھیک کر دی ہے۔ تم گھر جاؤ۔ ہیرا تمھارے چوغے کی جیب میں ہے۔"

جوہری الٹے قدموں گھر گیا اور چوغے کی جیب ٹٹولی تو ہیرا واقعی اس میں موجود تھا۔

وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ اس نے ایک تھیلی میں سونے کی اشرفیاں بھریں اور حارث کے پاس آ کر بولا: "یا شیخ! آپ تو سچ مچ بہت "پہنچے ہوئے" ہیں۔ ہیرا میرے چوغے کی جیب ہی میں تھا، لیجیے میری طرف سے یہ حقیر نذرانہ قبول کیجیے۔"

اس نے اشرفیوں کی تھیلی حارث کے ہاتھوں میں تھما دی۔

حارث نے گھر آ کر تھیلی سدرہ کو دی اور بولا: "لو یہ اشرفیاں، اب مجھ سے یہ کام مت کروانا، آج تو میں بچ گیا، روز روز نہیں بچوں گا۔"

سدرہ تو مگر اشرفیاں دیکھ کر پاگل ہو گئی تھی۔ اس نے حارث کی بات سنی اَن سنی کر دی اور اشرفیاں گننے لگی۔

دوسرے دن ناشتے کے بعد، حارث اپنی موچی کی دکان پر جانے لگا تو سدرہ نے کہا:

"کدھر چلے؟ اب تم حارث موچی نہیں، بغداد کے مشہور نجومی حارث بن وارث ہو۔ بازار جاؤ اور لوگوں کو بے وقوف بنا کر اُن کی جیبیں خالی کرو۔"

زبردست کا ٹھینگا سر پر۔ طاقت ور کی بات ماننا پڑتی ہے۔ حارث نے پھر چوغا پہنا، کمر میں پٹکا باندھا، سر پر عمامہ رکھا اور بازار جا کر ایک بند دکان کے تھڑے پر بیٹھ گیا۔

آہستہ آہستہ لوگ جمع ہونے لگے۔ کوئی کچھ پوچھتا تو کوئی کچھ۔ حارث یوں ہی اٹکل پچو جواب دے کر اُن سے پیسے اینٹھتا رہا۔

شام کو گھر واپس آیا تو اُس کی جیب بھری ہوئی تھی۔

ایک دن صبح کو وہ بازار جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

باہر نکلا تو دیکھا، دو سپاہی کھڑے ہیں۔

انھوں نے ادب سے سلام کیا اور بولے:

"بادشاہِ سلامت نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ ابھی، اسی وقت، ہمارے ساتھ چلیے۔"

حارث لرز کر رہ گیا۔ ڈرتے ڈرتے شاہی محل پہنچا تو وہاں بادشاہ اور وزیروں کے علاوہ شہر کا کوتوال بھی موجود تھا۔

اب تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کہ شاید بادشاہ کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں اصلی نجومی نہیں ہوں اور لوگوں کو بے وقوف بنا کر پیسے بٹورتا ہوں۔

اس نے جھک کر بادشاہ کو تین فرشی سلام کیے اور ہاتھ باندھ کر، سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

بادشاہ بولا: "پرسوں رات ہمارے خزانے سے ہیرے جواہرات کے ۴۰ صندوق غائب ہو گئے۔ پولیس چوروں کا سراغ لگانے میں ناکام رہی ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ تم بہت اچھے نجومی ہو۔ اگر تم نے چوروں کا پتا چلا لیا تو ہم تمھیں منہ مانگا انعام دیں گے۔"

حارث تو برا پھنسا، مرتا کیا نہ کرتا، جلدی سے بات بنا کر بولا:

"عالی جاہ! یہ کسی ایک چور کا کام نہیں ہے۔ یہ چالیس چوروں کا کام ہے۔ ان کا کھوج لگانے میں چالیس دن تو لگیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم تمھیں چالیس دن دیتے ہیں، لیکن اگر تم نے چالیس دنوں میں ان چوروں کا سراغ نہ لگایا تو تمھاری کھال کھنچوا کر بھس بھروا دیں گے۔"

حارث گرتا پڑتا گھر آیا اور سدرہ سے بولا:

"جلدی کرو اور بوریا بستر باندھ کر یہاں سے نکل چلو۔"

"کہاں چلیں؟" سدرہ نے پوچھا۔

"تمھاری اماں کے گھر۔" حارث نے جواب دیا۔

"میری اماں کو تو مرے دس سال ہو گئے۔" سدرہ بولی: "مگر میں پوچھوں ہوں، یہ یکا یک بوریا بستر گول کرنے کی کیوں سوجھ رہی ہے تمھیں؟"

برائی سے اچھائی تک کا سفر۔ مزاح کے انداز میں مختصر ناول

ایک مختصر مزاحیہ دلچسپ ناول

عائشہ شیخ کا یہ شاہکار ناول پڑھ کر آپکو اس بات کا احساس بھی ہوگا کہ اگر کسی دوست کو پیار سے سمجھاتے رہیں تو ایک دن ضرور اسکی زندگی بدل جاتی ہے۔ بس نرمی سے اور برداشت سے اُسکو سیدھا راستہ دکھاتے رہیں۔

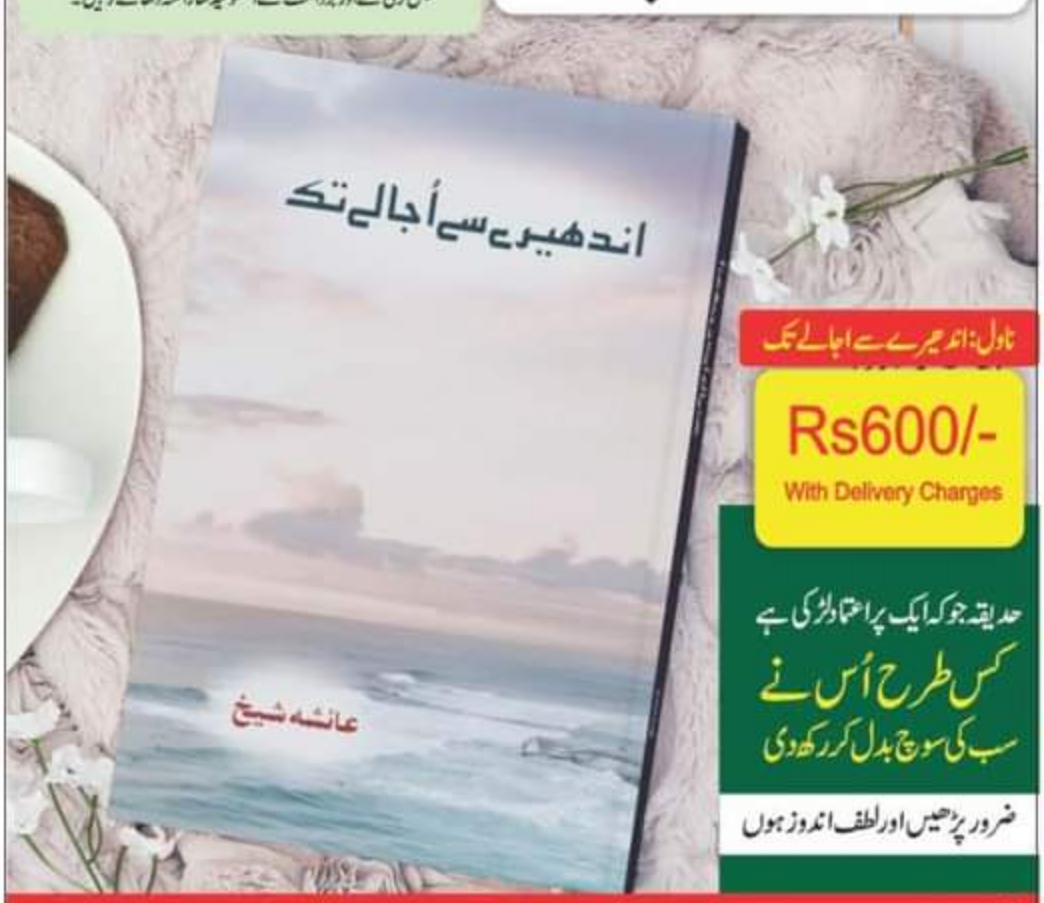

ناول: اندھیرے سے اجالے تک

Rs600/-
With Delivery Charges

حدیقہ جو کہ ایک پر اعتماد لڑکی ہے
کس طرح اُس نے
سب کی سوچ بدل کر رکھ دی

ضرور پڑھیں اور لطف اندوز ہوں

گھر بیٹھے آرڈر کرنے کے لئے ابھی اس واٹس ایپ پر رابطہ کریں 03450345581
آن لائن آرڈر کرنے کے لئے ہماری ویب سائٹ دیکھیں www.kitabFarosh.com

حارث نے کہا: ”چوروں نے بادشاہ کے خزانے سے ہیرے جواہرات کے ۴۰ صندوق چرا لیے ہیں اور اس نے مجھے ان کا کھوج لگانے کا حکم دیا ہے۔ میں نے ۴۰ دن کی مہلت مانگی ہے۔ اگر میں چالیس دن کے اندر چوروں کو نہ پکڑوا سکا تو بادشاہ میری کھال کھنچوا کر اس میں بھوسا بھروا دے گا۔“

”ہم کہیں نہیں جائیں گے۔“ سدرہ نے کہا: ”ڈرو مت، چالیس دن بہت ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے چور پکڑے جائیں یا ہوسکتا ہے بادشاہ ہی مر جائے۔“

حارث بولا: ”اور اگر ان باتوں میں سے کوئی بات نہ ہوئی تو؟“

”تو پھر ہم چالیسویں دن، رات کو یہاں سے بھاگ جائیں گے۔ عراق کے شہر بصرہ میں میری ایک خالہ رہتی ہیں، وہ ہمیں پناہ دے دیں گی۔“

سدرہ نے کہا۔

”لیکن ہمیں یہ کیسے پتا چلے گا کہ کتنے دن گزر گئے ہیں؟“ حارث نے کہا: ”نہ مجھے لکھنا آتا ہے، نہ تمھیں۔“

”ہوں!“ سدرہ سوچ میں پڑ گئی، پھر بولی: ”میں روز شام کو مرتبان میں ایک کنکری ڈال دیا کروں گی۔ اس طرح معلوم ہوتا رہے گا کہ اتنے دن گزر گئے ہیں۔“

جن چوروں نے شاہی خزانے میں چوری کی تھی، اُن کا ایک ساتھی شاہی محل کی جاسوسی کرتا تھا۔ اُس نے اپنے سردار کو بتایا کہ بادشاہ نے بغداد کے ایک نجومی کو ہمارا کھوج لگانے پر مقرر کیا ہے۔ یہ شخص نجوم کا بہت بڑا ماہر ہے۔ اس نے بادشاہ کو ہماری صحیح تعداد بتا دی ہے اور وعدہ کیا ہے کہ چالیس دن کے اندر وہ ہمیں پکڑوا دے گا۔

سردار بولا: ”ارے بے وقوف! چوروں کی تعداد تو ایک بچہ بھی بتا سکتا ہے۔ ظاہر ہے چالیس صندوق چالیس آدمی ہی اٹھائیں گے۔ بس اس نے بتا دیا کہ یہ چالیس چوروں کا کام ہے، لیکن یہ نجومی بہت چالاک معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں اس کی نگرانی کرنی چاہیے۔ تم آج شام اس کے گھر جانا اور معلوم کرنا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟“

اس شام وہ چور حارث کے گھر کے پاس پہنچا تو اسے کھڑکی میں سے باتوں کی آواز آئی۔ وہ کان لگا کر سننے لگا۔

اسی وقت سدرہ نے مرتبان میں ایک کنکری ڈالی اور حارث زور سے بولا:

”چالیس میں سے ایک گیا.....!“

یہ سن کر چور کی سٹی گم ہوگئی۔ بھاگا بھاگا اپنے اڈے پر گیا اور سردار سے بولا:

”سچ مچ وہ بہت پہنچا ہوا نجومی ہے۔ جونہی میں نے اس کی کھڑکی پر کان لگائے، اس نے کہا چالیس میں سے ایک گیا۔“

سردار نے ٹکٹکیوں (گن آکھیوں) سے اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ وہ خوف سے کانپ رہے تھے۔ سردار ان کی ہمت بندھانے کے لیے زبردستی مسکرایا اور بولا:

”تم نے غلط سنا ہوگا۔ کل دو آدمی جائیں اور نجومی کی کھڑکی سے کان لگا کر اُس کی باتیں سنیں۔“

دوسرے دن، شام کو دونوں چور چھپتے چھپاتے، حارث کے گھر کے پاس پہنچے اور کھڑکی سے کان لگا کر کھڑے ہو گئے۔

اسی وقت سدرہ نے دوسری کنکری مرتبان میں ڈالی اور حارث زور سے بولا:

”دو.....اب اڑتیس رہ گئے۔“

دونوں چور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے سردار کو بتایا کہ یہ نجومی واقعی جادوگر ہے۔ ہم اس کی کھڑکی کے پاس پہنچے تو اسے معلوم ہو گیا کہ ہم دو ہیں۔

سردار نے غصے سے پیر پٹخے اور چلا کر بولا:

”تم دونوں بھی بدھو ہو۔ کل تین آدمی جائیں اور کان کھول کر دھیان سے سنیں۔“

تیسرے دن تین چور گئے، چوتھے دن چار، پانچویں دن پانچ اور انتالیس (۳۹) دن تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔

سدرہ روز شام کو مرتبان میں ایک کنکری ڈالتی، حارث زور سے کنکریوں کی تعداد بتاتا اور چور سمجھتے کہ وہ ان کی تعداد بتا رہا ہے۔ وہ ڈر کر بھاگ جاتے۔

چالیسویں دن شام کو سردار اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ حارث کے گھر پہنچا اور کھڑکی سے کان لگا کر کھڑا ہو گیا۔

اسی وقت سدرہ نے مرتبان میں آخری کنکری ڈالی اور حارث زور سے بولا:

”چالیس پورے ہو گئے۔ چلو سدرہ! اب رسیاں لاؤ۔“

حارث نے رسیاں سامان باندھنے کے لیے منگوائی تھیں۔

سدرہ رسیاں لانے کے لیے اٹھنا ہی چاہتی تھی کہ دروازے پر زور کی دستک ہوئی۔

حارث نے دروازہ کھولا تو اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر ڈر گیا۔

وہ سمجھا کہ بادشاہ نے اسے پکڑنے کے لیے فوج بھیجی ہے۔

اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا، چوروں کا سردار اس کے قدموں پر گر پڑا اور گڑگڑا کر بولا:

”شاہی خزانے میں چوری ہم نے کی تھی۔ آپ براہ کرم بادشاہ کو نہ بتائیں۔ وہ ہمارا زن بچہ کولھو میں پلوا دے گا۔ ہم آپ کا گھر سونے چاندی سے بھر دیں گے۔“

حارث کی تو من کی مراد بھر آئی، مصنوعی غصے سے بولا:

بنت فرحت اللہ صفہ۔ کراچی

گھوڑے کے پر!

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فداھا ابی وامی نے سب سے زیادہ کریم، مہربان، اخلاقِ حسنہ کے مجسم کے گھر میں نئی زندگی کا آغاز کیا، چونکہ آپ تمام ازواج میں کم عمر تھیں اس لیے ان سے لطف و کرم کا سلوک زیادہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ گھر کے دریچے پر پردہ پڑا ہوا تھا، جب ہوا چلی تو پردے کا کونا کھل گیا، جس سے ایک عجیب چیز نظر آئی۔ دیکھا کہ ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک گھوڑا ہے جس کے کاغذیا کپڑے کے پر بھی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہنس کر پوچھا: ”گھوڑے کے پر!؟“

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ کیا آپ نے حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھوڑے کے متعلق نہیں سنا.....؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بے ساختہ پن جواب سے بہت محظوظ ہوئے اور مسکرا دیے۔

محمد احمد

اللہ تعالیٰ کیسے ہیں؟

آیت الکرسی کا پہلا جز ہے:

اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ۔

(سورۂ بقرہ، آیت:۲۵۵)

آیت کا مفہوم:

''اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ صرف وہی عبادت کے لائق ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی بھی اس قابل نہیں ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ (اس پوری دُنیا کو اور جو کچھ بھی اس دُنیا میں ہے، سب کو) سنبھالنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اُونگھ نہیں آتی اور نہ ہی نیند آتی ہے۔''

پیارے بچو.....!

آیت الکرسی کو قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت کہا جاتا ہے۔ آیت الکرسی میں کل دس جملے ہیں۔ ابھی اوپر آپ نے آیت الکرسی کے پہلے تین جملے اور اُن کا ترجمہ پڑھا۔ ان تین جملوں میں قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کا تعارف کرواتے ہوئے آپ کی چھ صفات کا ذکر کیا ہے:

اللہ تعالیٰ کی پہلی صفت:

اللہ تعالیٰ ہمارے رب ہیں۔ اُن کے علاوہ کوئی بھی اس قابل نہیں کہ اُسے رب بنایا جا سکے۔ اس لیے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی اس قابل نہیں کہ اُس کی عبادت کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت:

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ آپ کے سوا کوئی نہیں جو ہمیشہ سے ہو اور سب کو فنا بھی ہے۔ ایک دن موت آئے گی۔

یہ جو ہماری دنیا ہے اور اِس دنیا میں ہمیں جو بھی چیزیں نظر آ رہی ہیں جنھیں ہم روزانہ دیکھتے ہیں۔ مثلاً صبح سویرے سورج نکلتا ہے اور پھر دن بھر سفر کر کے شام کو غروب ہو جاتا ہے اور پھر رات کو جب ہر طرف گھپ اندھیرا چھا جاتا ہے تو چند ماموں آ جاتے ہیں۔

چند ماموں کے ساتھ کافی ستارے بھی ہوتے ہیں۔ صبح سویرے چند ماموں چھپ جاتے ہیں اور سورج پھر آ جاتا ہے۔ کبھی دھوپ نکل آتی ہے تو کبھی آسمان پر بادل چھا جاتے ہیں اور پھر بارش ہوتی ہے۔ آپ گرمیوں میں بارش میں نہاتے بھی ہیں۔ کبھی کبھار بارش سے پہلے تیز آندھی بھی آتی ہے۔

تو پیارے بچو.....! سب کام خود بخود اور ہمیشہ سے نہیں ہو رہے، یہ صرف اور صرف اللہ کے حکم سے ہوتے ہیں۔ ان سب کا انتظام اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں۔ سورج اللہ تعالیٰ نکالتے ہیں، سورج کو غروب بھی اللہ ہی کرتے ہیں۔ پھر رات کو چاند اور تاروں کو اللہ تعالیٰ لے کر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اتنے بڑے ہیں کہ اکیلے اتنے بڑے بڑے کام کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تیسری صفت:

جیسے ہی رات ہوتی ہے۔ ہم عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتے ہیں، کیوں کہ دن بھر پڑھ کر اور اپنے دوسرے کام کر کے کھیل کود کر ہم تھک جاتے ہیں اور ہم سو جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سونے سے پاک ہیں۔ نیند تو دُور کی بات ہے اُنھیں تو اُونگھ بھی نہیں آتی۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنے بڑے بڑے کام کر رہے ہیں۔ پوری دُنیا کو سنبھال رہے ہیں لیکن وہ تھکتے نہیں ہیں۔

☆☆☆

''بے ایمانو! تمھارا خیال تھا کہ تمھارے اس جرم کا کسی کو پتا نہ چلے گا۔ اب تمھاری خیریت اسی میں ہے کہ چوری کا سارا مال بادشاہ کو واپس کر دو۔''

سردار نے کہا:

''لیکن حضور! ہم بادشاہ کے پاس جائیں گے تو وہ ہمیں قید خانے میں ڈال دے گا، بلکہ ہو سکتا ہے ہمارے سر قلم کروا دے۔''

''تو تم ایسا کرو۔'' حارث بولا: ''سورج نکلنے سے پہلے پہلے تمام صندوق بادشاہ کے محل کی مشرقی دیوار کے پاس دفن کر دو اور وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی چوری نہیں کرو گے۔ میں بادشاہ کو تمھارے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

''حضور نے جیسا کہا، ویسا ہی ہوگا۔''

سردار نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر چلا گیا۔

دوسرے دن صبح کو، بادشاہ کے سپاہی حارث کے گھر آئے اور اسے گھوڑے پر بٹھا کر شاہی محل لے گئے۔ بادشاہ نے پوچھا: ''ہمیں امید ہے تم نے چوروں کا کھوج لگا لیا ہوگا اور ہمارا خزانہ مل گیا ہوگا۔''

''آپ کا خیال درست ہے عالی جاہ!'' حارث بولا۔ ''لیکن حضور یہ فرمائیں کہ حضور کے نزدیک دونوں میں سے کون سی چیز زیادہ اہم ہے، خزانہ یا چور؟ میں ان میں سے صرف ایک چیز حضور کے حوالے کر سکتا ہوں۔ دونوں چیزیں دینے سے ستاروں نے منع کر دیا ہے۔''

''ہمیں خزانہ چاہیے، چوروں سے پھر کبھی نمٹ لیں گے۔'' بادشاہ نے کہا۔

''تو پھر حضور! میرے ساتھ تشریف لائیں۔'' حارث بولا۔

بادشاہ، وزیر اور سپاہی حارث کے پیچھے چل پڑے۔ وہ انھیں شاہی محل کی مشرقی دیوار کے پاس لے گیا اور سپاہیوں سے کہا کہ زمین کھودیں۔

انھوں نے زمین کھودی تو اس میں سے چالیس صندوق نکلے۔

بادشاہ خوش ہو کر بولا:

''حارث! تم تو کمال کے آدمی ہو۔ ہم آج سے تمھیں شاہی نجومی مقرر کرتے ہیں۔''

حارث ہاتھ جوڑ کر بولا:

''میرے ستاروں نے مجھ سے کہا ہے کہ اب تم نجومی کا پیشہ چھوڑ دو اور موچی بن جاؤ۔ اسی میں تمھاری اور سلطنت کی بھلائی ہے۔''

بادشاہ نے حارث کو غور سے دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا:

''ویسے تم شکل سے موچی ہی لگتے ہو۔ کوئی بات نہیں، ہم تمھیں شاہی موچی مقرر کرتے ہیں۔ آئندہ تم شاہی خاندان کے جوتے بنایا کرو گے۔''

☆☆☆

"جناب! پوچھنا تو آپ سے کچھ اور تھا لیکن پہلے مجھے ایک بات کا جواب چاہیے!"

نمازِ مغرب کے بعد مسجد سے نکلتے ہوئے عبدالقدوس صاحب سے میری ملاقات ہوگئی۔

"جنابِ من! پہلے یہ بتائیں کہ آپ پوچھنا کیا چاہ رہے تھے، اس کے بعد آپ کی بات کا جواب بھی دے دوں گا۔"

عبدالقدوس صاحب مسکرا دیے۔

"دراصل کچھ دن سے میں ایک خاص موضوع کے حوالے سے آپ کے معمولات پوچھنا چاہ رہا تھا، لیکن آج میں نے آپ کو خلافِ معمول ایک کام کرتے دیکھا ہے۔ پہلے آپ اس کی وجہ بتانا پسند کریں گے؟"

"ضرور جنابِ من! کیوں نہیں!"

"محترم! آج نمازِ ظہر کی جماعت کے فوراً بعد آپ مسجد کے دروازے پر جوتیوں والی جگہ گئے، پھر واپس آ گئے۔ ایک طویل سجدہ کیا اور پھر اٹھ کر چلے گئے۔ اس خلافِ معمول عمل کی کیا وجہ تھی؟"

"آپ کا مشاہدہ بالکل درست ہے جنابِ من!"

عبدالقدوس صاحب کے چہرے پر بشاشت آ گئی۔

"بات دراصل یہ ہے کہ جب سے میری دائیں آنکھ کا آپریشن ہوا ہے، تب سے ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق میں دھوپ کا چشمہ استعمال کر رہا ہوں تاکہ آنکھ دھوپ کی شدت اور گرد و غبار کی کدورت سے محفوظ رہے۔"

"جی بالکل! آپ دن میں دھوپ کا چشمہ پہن کر ہی باہر نکلتے ہیں۔"

"اور میں نے آپ کو یہ بھی بتایا تھا کہ یہ بہت قیمتی چشمہ ہے جو میرے بڑے بیٹے نے خاص طور پر میرے لیے خریدا تھا، اس لیے میں اسے بہت سنبھال کر رکھتا ہوں۔"

"جی آپ یہ بات مجھے دو تین بار بتا چکے ہیں۔"

"تو جنابِ من! ہوا یوں کہ آج دوپہر کے وقت دھوپ تیز تھی۔ میں ظہر کی نماز پڑھنے کے لیے حسبِ معمول چشمہ پہن کر نکلا۔ میں جب مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو چشمہ اتار کر قمیص کی اوپر والی جیب میں ڈال لیتا ہوں اور جب نماز پڑھنے لگتا ہوں تو چشمہ جیب سے نکال کر صف پر رکھ دیتا ہوں تاکہ رکوع اور سجدے کے دوران میں جیب سے گر نہ جائے۔ آج جب میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو چشمہ ہاتھ نہ آیا۔ باقی جیبیں بھی ٹٹول ڈالیں، اُن میں بھی نہیں تھا۔"

"اوہو! پھر تو آپ کو بہت پریشانی ہوئی ہوگی!"

"اچھی خاصی پریشانی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے پہلی صف میں جگہ ملی تھی۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ چشمہ کہاں جا سکتا ہے کہ اقامت شروع ہوگئی۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اپنی جوتیاں اٹھانے کے لیے جب میں جھکا تھا تو چشمہ وہیں جیب سے سرک کر نیچے گر گیا ہوگا اور چونکہ جیب زمین سے قریب تھی اور نیچے نمازیوں کی جوتیاں رکھی تھیں اس لیے مجھے اس کی آواز سنائی نہ دی۔"

"آپ کو اچھی طرح یاد تھا محترم کہ چشمہ گھر اور مسجد کے درمیان راستے میں کہیں نہیں گرا؟"

"جنابِ من! مجھے اچھی طرح یاد تھا۔"

"پھر تو آپ کا خیال درست ہی ہوگا۔"

"ایسی ہی بات ہے، پھر مجھے دوسرا خیال آیا کہ ابھی چونکہ نماز شروع نہیں ہوئی، اس لیے فوراً صف سے نکل جاؤں اور باہر جوتیوں کی جگہ جا کر اپنا چشمہ اٹھا لوں۔ یقیناً وہاں موجود ہوگا، پھر واپس آ کر جماعت میں شامل ہو جاؤں گا۔"

"واقعی اس طرح آپ کو چاروں رکعات آرام سے مل سکتی تھیں۔"

"رکعات تو یقیناً مل جاتیں لیکن تکبیرِ اولیٰ اور پہلی صف سے محروم رہ جاتا۔ وقت کم تھا اور مجھے فوری فیصلہ کرنا تھا کہ چشمے کی طرف جاؤں یا پہلی صف اور تکبیرِ اولیٰ کو یقینی بناؤں۔"

"اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو میرے لیے بھی یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا، کیوں کہ فائدہ دونوں صورتوں میں تھا۔"

"ایسے میں انسان کو یہ سوچنا چاہیے کہ کس صورت میں زیادہ فائدہ ہے۔ چنانچہ تکبیرِ اولیٰ شروع ہونے سے پہلے ہی اللہ رب العزت نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ زیادہ فائدے والی تکبیرِ اولیٰ اور صفِ اول کی سعادت حاصل کی جائے۔ چشمہ نہ بھی ملا تو دوسرا لیا جا سکتا ہے۔ دوسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھائی کہ اگر تکبیرِ اولیٰ اور صفِ اول مل گئی تو ہو سکتا ہے کہ چشمہ بھی مل جائے اور اگر یہ چھوڑ کر چشمے کی طرف گیا تو کیا پتا چشمہ بھی نہ ملے۔ اس طرح دونوں چیزوں سے محرومی رہے گی، لہٰذا جو نعمت اس وقت میسر ہے یعنی پہلی صف اور تکبیرِ اولیٰ، اس نعمت اور فضیلت کو تو حاصل کر لینا چاہیے۔ ممکن ہے اس کی برکت سے چشمہ

بھی مل جائے۔"

"پھر تو آپ نے یقیناً اپنی جگہ نہیں چھوڑی ہوگی۔"

"بس جناب من! اللہ کے فضل و کرم سے میں نے اطمینان سے نماز ادا کی اور فرض نماز سے فارغ ہو کر جوتیوں والی جگہ پر پہنچ گیا۔"

"یہ تو بڑا سسپنس فل لمحہ ہوگا جناب!"

"تجسس تو تھا جناب من! لیکن ایک عجیب فرق میں نے یہ محسوس کیا کہ نماز سے پہلے مجھ پر جو تشویش اور بے یقینی کی کیفیت تھی، وہ اب اطمینان میں تبدیل ہو چکی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میں وہاں سے بس چشمہ اٹھانے جا رہا ہوں۔ نہ ملنے کا خیال بھی نہیں آ رہا تھا۔"

"ویسے عجیب بات ہے کہ وہ جگہ جہاں سے لوگ جوتیاں چرا کر لے جاتے ہیں، اسی جگہ آپ کا قیمتی چشمہ محفوظ رہا اور وہ بھی اتنی دیر تک!"

"بس یہی بات ہے کہ مہربان اللہ کی اس کرم نوازی پر میں فوراً واپس مسجد میں گیا اور بارگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر ادا کیا۔"

"اسی بات کا مجھے تجسس تھا کیونکہ آپ جب بھی کوئی خلافِ معمول کام کرتے ہیں تو اس میں ضرور کوئی حکمت ہوتی ہے اور دوسروں کے لیے سبق ہوتا ہے۔"

"یہ حکمت اصل میں اتباعِ سنت کی برکت ہے جنابِ من!"

"سجدۂ شکر ادا کرنا مسنون عمل ہے محترم؟"

"یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت اہم عادت مبارکہ تھی۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ ایک اور مشہور صحابی ہیں) سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کوئی ایسا معاملہ آتا جس سے آپ خوش ہوتے یا وہ خوش کن معاملہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدے میں گر پڑتے۔ (مسند احمد)

سجدۂ شکر میں ہمیں ایک سہولت یہ بھی حاصل ہے کہ یہ باوضو اور بغیر وضو دونوں حالتوں میں کیا جا سکتا ہے جب کہ سجدۂ تلاوت کے لیے باوضو ہونا ضروری ہے۔"

"اچھا! تبھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے قومی کھلاڑی جب بھی کوئی بڑی کامیابی یا فتح حاصل کرتے ہیں تو وہیں گراؤنڈ میں سربسجود ہو جاتے ہیں۔"

عبدالقدوس صاحب نے کہا تو میری نگاہ سامنے مقامی اسکول کے گراؤنڈ پر پڑی۔

عام طور پر مسجد اور گھر کے درمیانی سفر میں اسکول کا یہ میدان مجھے نظر نہیں آتا تھا، لیکن آج ہم اپنا معمول کا راستہ بدل کر ایک دور والے راستے سے چکر کاٹ کر اپنے گھروں کو جا رہے تھے، کیونکہ ہمارے روزمرہ کے راستے کی سڑک پر ربیع الاول کے سلسلے میں ہر سال کی طرح اس سال بھی آج رات ہونے والے جلسے کی تیاریاں زور شور سے جاری تھیں۔ دن میں ہمیں راستے کی طوالت کا سامنا تھا اور رات گئے تک لاؤڈ اسپیکر کے شور کی شدت برداشت کرنا ہوگی، تاہم ہم دونوں نے اس معاملے پر اپنے تاثرات کا تبادلہ نہیں کیا۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد عبدالقدوس صاحب ایک لمبا سانس کھینچ کر بولے:

"جنابِ من! ویسے تو ہمیں سارا سال ہی سجدۂ شکر کی طرح تمام مسنون اعمال کو اپنی زندگی کا حصہ بنانا چاہیے لیکن ربیع الاول کے اس مبارک مہینے میں میری کوشش ہوتی ہے کہ اذکار میں درود شریف اور اعمال میں اتباعِ سنت کی کثرت کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

سنت کہانی (اوّل-دوم)

اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور جنت کے حصول کے لیے پیارے نبی
حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنتِ مبارکہ
بلاشبہ کامل ترین.... خوب صورت ترین.... اور آسان ترین راستہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کے لیے....
بچوں کو بچپن ہی سے پیاری.... مبارک سنتوں....
اور.... پاکیزہ طریقوں کا عادی بنانے کے لیے....

بچوں اور بچیوں کے لیے اچھوتے.... اور آسان انداز میں لکھی گئی....
نصیحت آموز کہانیاں.... دیدہ زیب کتابی شکل میں....

رعایتی قیمت -/612
عام قیمت -/1020

آئیں! مل کر کتاب دوستی کو فروغ دیں اور اس پیغام کو عام کریں۔

بیت العلم
کراچی فون: 021-32726509 ، موبائل: 0309-2228089
لاہور فون: 042-37112356
Visit us: www.mbi.com.pk maktababaitulilm

وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشی نمائشی اقدامات اور خلقِ خدا کو تکلیف پہنچانے والی رسوم و بدعات کی بجائے درود شریف کے ورد اور سیرتِ طیبہ اپنا کر منائی جانی چاہیے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کو خوشی ہوگی۔ لوگوں کو بھی پریشانیوں اور رکاوٹوں کی بجائے آسانی، سہولت اور عافیت میسر آئے گی اور اس کے ساتھ ساتھ ہم اللہ رب العزت کے محبوب بندے بھی بن جائیں گے۔"

"بالکل درست فرمایا آپ نے محترم!"

عبدالقدوس صاحب کی بات میرے دل پر اثر کر رہی تھی۔

"شکریہ جنابِ من! اب آپ فرمائیے کہ چند دن پہلے سے آپ کون سی بات مجھ سے پوچھنا چاہ رہے تھے؟"

"مزے کی بات آپ کو بتاؤں محترم! میں آپ سے یہی پوچھنا چاہ رہا تھا کہ ربیع الاول کے مبارک مہینے میں آپ کے کیا معمولات ہوتے ہیں؟ یعنی آپ ربیع الاول کیسے مناتے ہیں؟ الحمدللہ مجھے اس سوال کا جواب بھی مل چکا ہے۔ اللہ آپ کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔"

عبدالقدوس صاحب سے رخصت کے بعد ان کی مختصر سی صحبت کی برکت سے میری زباں پر درود پاک کی کثرت تھی اور مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ اتباعِ سنت ہی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اظہارِ محبت کا بہترین سلیقہ ہے۔ ☆☆☆

ملال

عمارہ حسین

میں ساحل کے کنارے ننگے پاؤں چل رہا تھا۔ سورج غروب ہونے کو تھا۔ پانی پر سورج کا نارنجی عکس خوبصورت نظر آ رہا تھا۔

چلتے چلتے مجھے کچھ فاصلے پر ایک شخص نظر آیا جو بار بار نیچے جھک کر ساحل سے کچھ اٹھاتا اور اسے دوسرے ہاتھ میں پکڑے تھیلے میں ڈالتا جاتا تھا۔

میں نے سوچا کہ وہ شاید سیپیاں اٹھا رہا ہے۔

اس کے قریب پہنچا تو تجسس کی وجہ سے میرے قدم سست پڑ گئے۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ!"

میں نے اسے سلام کرتے ہوئے مخاطب کیا۔

وہ جھکتے جھکتے ٹھٹک گیا اور میری طرف گھوم گیا۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

اس نے سیدھا ہوتے ہوئے سلام کا بہتر جواب دیا۔

مجھے اس بات سے بہت خوشی ہوئی۔

"سیپیاں جمع کر رہے ہیں آپ؟" مسکراتے ہوئے میں نے پوچھا۔

"ارے نہیں۔" وہ ہنسا، پھر تھیلا میرے آگے کیا۔

میں نے تھیلے میں دیکھا تو مجھے مختلف چیزوں کے ریپرز، پلاسٹک کی کچھ اشیا، ٹوٹی شیشے کی بوتلیں اور شاپر نظر آئے۔

میں حیران ہوا۔

اتنے بڑے ساحل پر جہاں کئی لوگ موجود تھے وہ اکیلا شخص ہی یہ کچرے اٹھا رہا تھا جبکہ حلیے سے وہ کچرا اٹھانے والا مزدور بھی نہیں لگتا تھا۔

"تو کیا یہ آپ کی مزدوری ہے؟ یعنی یہ کچرا اٹھانا آپ کا کام ہے اور باقی کوئی ٹیم وغیرہ کہاں ہے؟"

"مزدوری کیسی!" اب کے وہ ذرا کھل کر ہنسا۔

"دراصل لوگ یہ چیزیں یہاں ایسے پھینک جاتے ہیں، جیسے یہ سمندر نہیں کوئی بہت بڑا کچرادان ہو۔ یہ کچرا سمندر کا حسن ہی برباد نہیں کرتا بلکہ اس میں رہنے والی خدا کی لاکھوں مخلوقات کو سخت نقصان بھی پہنچاتا ہے۔ کبھی کسی مچھلی کے منہ میں کوئی شیشہ پھنس جاتا ہے۔ کبھی کسی بگلے کے پاؤں کسی تھیلے میں پھنسے ہوتے ہیں، اور وہ مرا ہوا ساحل پر ملتا ہے۔ اب یہ اُن کے ساتھ زیادتی ہے ناں۔ یہ مخلوق تو ہمارا کچرا صاف کرنے سے رہی۔"

میں اُس کے جذبے سے بہت متاثر ہوا۔

"بھائی! میں سمجھ رہا ہوں، آپ ایک نیک کام کر رہے ہیں لیکن یہاں تو جگہ جگہ بہت زیادہ کچرا پھیلا ہے، آخر کتنا اٹھا لیں گے آپ؟" میں نے افسوس سے کہا۔ "آج اٹھائیں گے، کل پھر کوئی پھینک جائے گا۔"

میری بات سن کر وہ مسکرانے لگا، پھر نیچے جھک کر پلاسٹک کا ایک ٹوٹا ہوا کھلونا اٹھایا۔

"بس اتنا کہ کم از کم یہ کسی جانور کی جان لینے کا سامان نہ بنے۔"

بولتے ہوئے اس نے وہ کھلونا تھیلے میں ڈالا۔

میری مسکراہٹ سمٹ گئی۔

کچھ دیر میں اسے دیکھتا رہا۔

وہ اب پھر اسی یکسوئی سے کچرا اٹھا رہا تھا۔

میں نے اُس سے نظر ہٹا کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔

کچھ ہی پیچھے میں نے جوس پی کر خالی بوتل کو لاپروائی سے ساحل پر پھینکا تھا۔ وہ بوتل شیشے کی تھی، اس طرح میں نے کسی جانور ہی نہیں کسی انسان کو بھی خطرے میں ڈال دیا تھا۔

زندگی میں پہلی بار مجھے اپنی ایسی حرکت پر ملال ہوا۔

میں نے کندھے اچکا کر آگے بڑھنا چاہا مگر میرے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔

آخر میں پلٹا اور اس بوتل کی طرف بڑھنے لگا۔

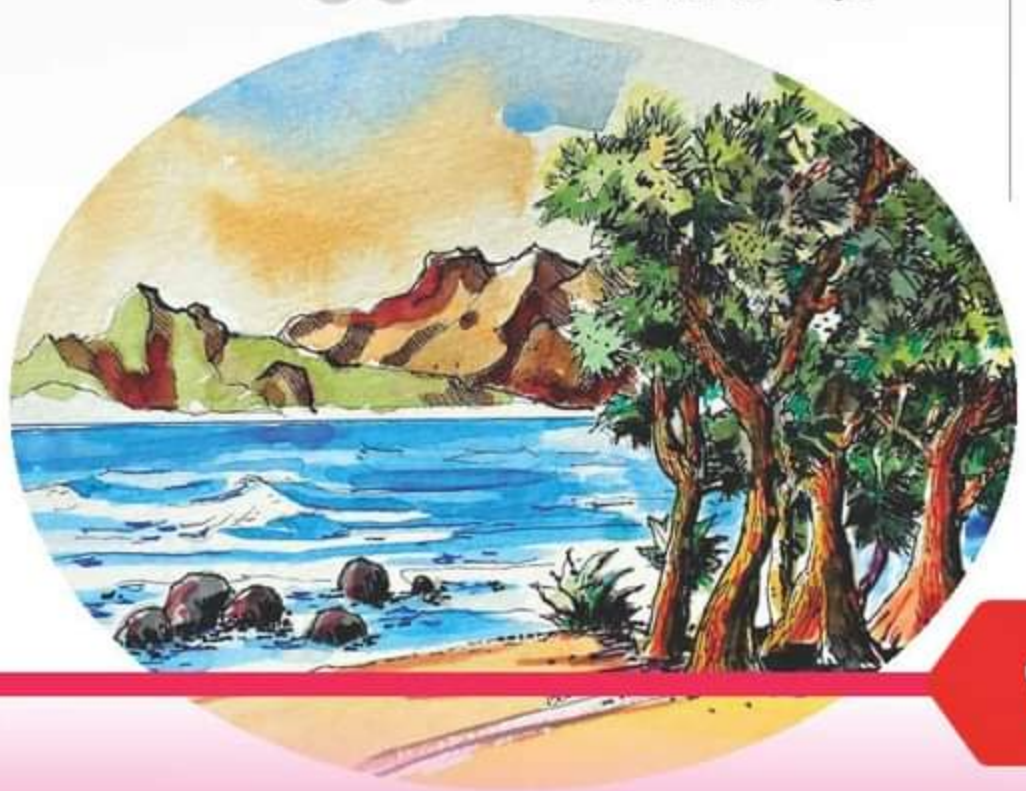

جواب طلب سوال

عشرت جہاں

صبح کا وقت تھا۔ عارف صاحب نے اپنی گاڑی نکالنے کے لیے بڑا گیٹ کھولا ہی تھا کہ دروازے کے پیچھے رکھی کچرے کی ٹوکری الٹ گئی۔

چند لمحے تو انھیں صورت حال سمجھنے میں لگے، پھر دانت پیستے، بڑبڑاتے انھوں نے دروازہ بند کر دیا اور کوڑے کی ٹوکری ایک طرف کر کے وہ گاڑی میں بیٹھ گئے۔

ارد گرد بکھرا کچرا انھیں کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔

''واپس آ کر اس نجبو کی خبر لیتا ہوں۔''

کوڑے پر منڈلاتی بھنبھناتی مکھیوں کو پیچھے چھوڑ وہ دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔

نجبو اور عارف صاحب کی کبھی نہیں بنی تھی۔ نجانے کیوں وہ اسے سخت ناپسند کرتے تھے اور دوسری طرف نجبو بھی اپنی ناپسندیدگی کے اظہار میں کبھی بخیل ثابت نہ ہوا تھا۔

اگلے دن اتوار تھا۔ چائے پیتے ہوئے وہ اخبار کے مطالعے میں غرق تھے کہ گلی میں ہلچل سی مچی۔ دور ہی سے نجبو کی کڑک دار آواز گونج رہی تھی۔ ایک ایک گھر کا دروازہ پیٹ کر وہ کوڑا وصول کر رہا تھا۔

لوگ پلاسٹک کی خالی بوتلیں، ردی اور چھان بورا بھی اسے ہی دیا کرتے تھے، اس کے علاوہ وہ کوڑے سے گتا اور دیگر اشیا بھی چھانٹی کرتا تھا۔

عارف صاحب لپک کر باہر نکلے۔

نجبو اپنے مخصوص انداز میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔

وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے وہ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورنے لگے۔

''سلام صاب!'' نجبو نے اپنے مخصوص لاپروا انداز میں سلام جھاڑا۔

عارف صاحب نے جواب دینا گوارا نہ کرتے ہوئے سوال داغ دیا:

''کل تُو نے کچرا کیوں نہیں اٹھایا تھا؟''

''کس کا؟'' نجبو نے بے نیازی کا مظاہرہ کرتے سوال لوٹایا، پھر یوں گویا ہوا جیسے اپنی صفائی پیش کر رہا ہو۔

''ساری گلی کا کچرا اٹھایا تھا جی۔''

عارف صاحب اس کی دیدہ دلیری پر سیخ پا ہو گئے:

''مجھے جُل دے رہا ہے۔ پوری گلی کا کچرا اٹھایا لیکن ہمارے گھر کا کچرا نہیں اٹھا سکا تُو، اکثر بھول جاتا ہے کام چور۔

''روج ہی کچرا اٹھاتے ہیں صاب! نجر نہیں پڑی ہوگی۔''

کوڑے سے گتا کاغذ الگ کرتے وہ مصروف نظر آ رہا تھا۔

''اسی جگہ کوڑے کی ٹوکری دھری ہوتی ہے اور تمھاری نظر نہیں پڑی۔''

عارف صاحب جرح کے موڈ میں تھے۔

''صبح صبح اپن کے متھے نہ لگو صاب! اپن نے ناستہ بھی نہیں کیا اب تک۔''

''اچھا تو تمھارے ناشتے کا ذمے دار بھی میں ہی ہوں؟''

عارف صاحب چمک کر بولے۔

''تن کھا دو اور عیدی بھی۔'' نجبو نے مطالبہ پیش کیا۔

''عید پر دو سو روپے دیے تھے، کہہ دو بھول گیا۔''

''اپن بھی کوئی احسان نہیں کیا صاحب! رمضان میں بھی کچھ نہیں دیا، تن کھا بھی نہیں دیا۔''

''اس کچرے سے تجھے کتنا کچھ ملتا ہے لیکن تم لوگوں کی حرص ختم نہیں ہوتی۔''

عارف صاحب بھی حساب لگائے بیٹھے تھے۔

''اپن کے پاس پھالتو ٹیم نہیں ہے صاب! بہت سے کام ہیں۔''

کہتے ہوئے نجبو نے گدھے کو ہنکایا اور آگے بڑھ گیا۔

''اس کے بغیر تو دنیا کا ہر کام رکا پڑا ہے جیسے، ہونہہ آیا بڑا کام والا، ہیرو بنا پھرتا ہے۔''

عارف صاحب بڑبڑاتے گھر میں داخل ہو گئے۔

نجانے یہ نجبو کی بددعا کا اثر تھا یا عارف صاحب کی بدقسمتی کہ اگلے دن وہ گھر کے غسل خانے میں گر پڑے۔ چوٹوں کے علاوہ پاؤں کی موچ نے انھیں درد سے بے حال کر دیا۔ آفس سے چھٹی ہوئی اور وہ کمرے تک محصور ہو کر رہ گئے۔

کئی دن بعد آج وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے صحن میں آ کر بیٹھے تھے۔

گلی میں مخصوص ہلچل ہوئی۔ نجبو کے گدھے کی گھنٹی ہولے ہولے بج رہی تھی۔ بڑے گیٹ تک آ کر اس نے کوڑے کی ٹوکری اٹھا کر خالی کی اور نیم وا دروازے سے اندر رکھنے لگا، پھر اس کی عارف صاحب پر نظر پڑی تو اس نے زوردار سلام کیا پھر خوشی سے بولا:

''ٹھیک ہو صاب!؟''

''اپن کو بہت پھکر تھی صاب! شکر خدا کا تم بھلا چنگا ہو گیا۔''

''تم بھی ٹھیک ہو نجبو؟''

عارف صاحب نے جواباً حال چال پوچھ لیا۔

''شکر ہے مالک کا، ہم روج دعا کر رہے تھے آپ کے واسطے۔''

اسی اثنا میں عارف صاحب نے جیب سے ایک نوٹ نکالا اور نجبو کی طرف بڑھایا۔

''نہ نہ صاب! ہم سچ مچ آپ کے لیے پھکر کرتے تھے۔''

نجبو نے نوٹ کی طرف دیکھا بھی نہ تھا۔

''لے لو نجبو! صاحب خوشی سے دے رہے ہیں۔''

بیگم عارف برآمدے سے بولیں:

''یہ بلا ناغہ آپ کی خیریت پوچھا کرتا تھا۔''

عارف صاحب کو نجبو کے چہرے کی معصومیت اور بے ریا جذبہ آج نظر آ رہا تھا۔ ان کی سوچ کا رخ بدل چکا تھا۔

''نجانے اب تک میں اس سے معاندانہ رویہ کیوں برتتا رہا؟''

انھوں نے سوچا۔

نجبو تو ہنستا مسکراتا دعائیں دیتا آگے بڑھ گیا اور عارف صاحب کے لیے جواب طلب سوال چھوڑ گیا۔

☆☆☆

اب سب ہیں ٹوٹ بٹوٹ میاں!

اب دال چپاتی کیا شے ہے
سب کیک اور بسکٹ کھاتے ہیں
کیا مطلب دودھ اور لسی سے
سب انگلش سوپ اڑاتے ہیں
سب کوکا کولا پیتے ہیں
کھاتے ہیں کوئیکر اوٹ میاں
اب ایک ہی ٹوٹ بٹوٹ نہیں
اب سب ہیں ٹوٹ بٹوٹ میاں

اب ننگے سر سب پھرتے ہیں
اب ٹوپی اور دستار کہاں
اب چرچا ہے پتلونوں کا
اب پاجامہ، شلوار کہاں
اب کام ہے کالر ٹائی سے
اب پہنتے ہیں سب کوٹ میاں
اب ایک ہی ٹوٹ بٹوٹ نہیں
اب سب ہیں ٹوٹ بٹوٹ میاں

اب موٹر کاریں چلتی ہیں
اب تانگا ٹم ٹم کیا شے ہے
اب شور ہے جیپ کے انجن کا
گاڑی کی چھم چھم کیا شے ہے
اب جو بھی پیدل چلتا ہے
لگتی ہے اس کو چوٹ میاں
اب ایک ہی ٹوٹ بٹوٹ نہیں
اب سب ہیں ٹوٹ بٹوٹ میاں

اب اِس کا اُس کا نام نہ لو
اب ایسا ویسا کچھ بھی نہیں
اب کام نہیں کریانے کا
اب دھیلا پیسا کچھ بھی نہیں
اب جو بازار میں آتا ہے
آتا ہے لے کر نوٹ میاں
اب ایک ہی ٹوٹ بٹوٹ نہیں
اب سب ہیں ٹوٹ بٹوٹ میاں

پہلے سب پاؤں چھوٹے تھے
اب ساری انگلیاں چھوٹی ہیں
پہلے دو چار کی موٹی تھیں
اب سب کی آنکھیں موٹی ہیں
پہلے تو روٹ بھی روٹی تھا
اب روٹی بھی ہے روٹ میاں
اب ایک ہی ٹوٹ بٹوٹ نہیں
اب سب ہیں ٹوٹ بٹوٹ میاں

لاہور ہو یا راول پنڈی
یا کیمبل پور، پشاور ہو
یا گجرانوالہ، چک جھمرہ
یا جہلم، روہڑی، سکھر ہو
اب کوئی بھی نگری بستی ہو
سب شہر ہیں چڑیا کوٹ میاں
اب ایک ہی ٹوٹ بٹوٹ نہیں
اب سب ہیں ٹوٹ بٹوٹ میاں

جو پھرتے ہیں بازاروں میں
جو کھیلتے ہیں میدانوں میں
جو لوگ ہیں کوٹھی بنگلے میں
جو لوگ ہیں تنگ مکانوں میں
اور یہاں بھی جتنے بیٹھے ہیں
ہیں سارے ٹوٹ بٹوٹ میاں
اب ایک ہی ٹوٹ بٹوٹ نہیں
اب سب ہیں ٹوٹ بٹوٹ میاں

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

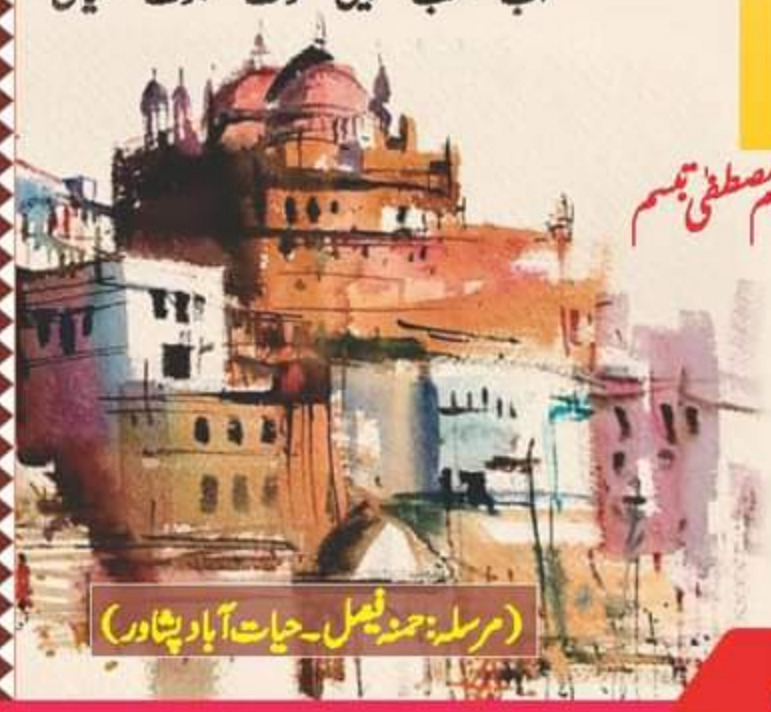

(مرسلہ: حمنہ فیصل۔ حیات آباد پشاور)

78

میرِحجاز

اختر حسین عزمی

بعثت نبوی کا دسواں سال تھا۔ بنو ہاشم کو شعب ابی طالب کی محصوری سے نکلے ہوئے چھے ماہ ہو چکے تھے۔ شعب کی سختیوں اور فاقوں نے اسّی سالہ بوڑھے ابوطالب کو نڈھال کر دیا تھا۔ اب بیماریوں سے مقابلہ کرنے کی قوت جواب دے چکی تھی۔ بوڑھی اور کمزور ہڈیاں کب تک غموں کا بوجھ سہارتیں۔ بڑھاپے کی اوٹ سے موت جھانکنے لگی تھی۔ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا چچا کی تیمارداری کے لئے جب پیغمبر اسلام ان کے پاس پہنچے تو ابوالحکم عمرو بن ہشام اور عبداللہ بن ابی اُمیہ، ابوطالب کے بستر سے لگے بیٹھے تھے۔

مہربان اور شفیق چچا سے محبت کا تقاضا تھا کہ ان کی ابدی زندگی کامیاب ہو جائے۔ اس لیے چچا کو آخری وقت بھی دعوت دی:

''چچا جان! آپ بس ایک بار کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں تاکہ میں اللہ کے ہاں آپ کے لیے حجت پیش کر سکوں۔''

یہ سن کر علمبردارانِ کفر عمرو بن ہشام اور عبداللہ بن ابی امیہ نے ابوطالب کو مخاطب کیا:

''اے ابوطالب! کیا دنیا سے جاتے وقت عبدالمُطلِب کی ملّت سے رخ پھیر لوگے؟''

پھر یہ دونوں برابر ان سے باتیں کرتے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب نے آخری بات کہی: ''عبدالمُطلِب کی ملّت پر اور پھر روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔''

☆☆

باپ کا سایہ ولادت سے پہلے ہی اٹھ چکا تھا۔ جب چھے سال کی عمر ہوئی تو والدہ ماجدہ بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ آٹھ سال کی عمر میں جد امجد عبدالمُطلِب پوتے کو روتا دھوتا چھوڑ گئے۔ یہ چچا ابوطالب تھے جو اپنے بھتیجے کے لڑکپن، جوانی اور پچاس سال کی عمر کے مراحل میں مصائب وآلام کی کڑی دھوپ میں سائبان بن کر اوپر تنے رہے۔ آج وہ سائبان بھی سر سے اتر چکا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدمہ دو چند ہو چکا تھا۔ اب ان کی بیوی خدیجہ طاہرہ بھی پینسٹھ سال کی ہو چکی تھیں جبکہ پیغمبر اسلام پچاس سال کی عمر میں تھے۔ نازونعم میں پلی اور ادھیڑ عمر تک خوشحالی میں زندگی بسر کرنے والی خدیجہ نے شعب کی تین سالہ محصوری میں فقر وفاقہ کو صبر وحوصلے سے برداشت کیا، لیکن بڑھاپے کی عمر میں شعب کی سختیوں اور فاقوں نے انھیں جسمانی طور پر کمزور کر دیا تھا، سو چچا ابوطالب کی وفات کے ڈیڑھ دو ماہ بعد وہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا محض اہلیہ نہ تھیں بلکہ آپ کی حقیقی مونس وغمگسار بھی تھیں، جنھوں نے اپنا سارا سرمایۂ زندگی، کروڑوں کی جائیداد اپنے شوہر کے مقصد کی کامیابی کے لیے ان کے قدموں میں ڈھیر کر دی اور پچیس سال رفاقت نبھانے کے بعد جب دنیا سے گئیں تو ان کے پاس کچھ مال نہ تھا۔

آج گھر کے آنگن میں غم سے نڈھال اور اُداس چار بیٹیوں کی تسلی، اور تعزیت کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہی الفاظ مرہم تھے:

''خدیجہؓ کی زندگی میں جبریل امینؑ آئے تھے اور انھوں نے کہا تھا کہ خدیجہؓ کو اللہ کا سلام پہنچایئے، اور انھیں خوشخبری سنایئے کہ اللہ تعالیٰ نے موتیوں سے بنا ہوا محل جنت میں انھیں عطا کیا ہے۔ جس میں نہ کسی قسم کا شور وغل ہوگا نہ پریشانی وبے آرامی۔''

اہلیہ کی قدردانی زبان رسالت سے یوں ادا ہوتی:

خدیجہ سے بہتر بیوی اللہ نے مجھے نہیں دی، وہ اس وقت مجھ پر ایمان لائیں جب لوگوں نے میرا انکار کیا۔ انھوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا۔ انھوں نے اپنے مال سے اس وقت میری دلجوئی کی جب لوگوں نے مجھے محروم کیا۔ اللہ نے مجھے ان سے اولاد عطا فرمائی، دوسری بیویوں کو اولاد سے محروم رکھا۔ (آپ کا یہ ارشاد ماریہ قبطیہؓ سے بیٹا پیدا ہونے سے پہلے کا ہے۔)

مہربان چچا اور غمخوار رفیقہ حیات کا قریب قریب داغ مفارقت دے جانا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے، بہت زیادہ رنج وغم کا باعث تھا، اس لیے آپ نے اس سال کو ''عام الحزن'' (غم واندوہ کا سال) قرار دیا۔

☆☆

''تم ہو نہ وہ جس نے بہت سے دیوتاؤں کو بس ایک خدا بنا دیا ہے۔''

غصے میں بپھرے ہوئے قریش پیغمبر اسلام پر برس رہے تھے۔ کسی نے آپ کو پکڑا ہوا تھا، کوئی زدوکوب کر رہا تھا۔

اچانک حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شور سن کر اس طرف آ نکلے۔ انھوں نے دیکھا تو دیوانہ وار مجمع کے اندر گھس کر ظالموں پر جھپٹ پڑے۔ کسی کو گھونسا رسید کیا۔ کسی سے ہاتھا پائی کی اور ساتھ ساتھ لعن طعن کیا: وَیلَکُم اَتَقتلون رَجلًا اَن یَقُول رَبی اللہ

''خدا تمھارا ستیاناس کرے، کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب صرف اللہ ہے۔''

ابوطالب کے انتقال کے بعد مشرکین مکہ اذیت رسانی میں کمینگی پر اتر آئے تھے۔ بزرگی کے اعتبار سے ابولہب اب بنو ہاشم کا سردار تھا اور اپنے بھتیجے کے بارے میں اس کا رویہ غیر ہمدردانہ تھا۔ اس وجہ سے قریش کی جسارتیں بڑھ گئی تھیں، کیونکہ انھیں بنو ہاشم کی طرف سے کوئی بڑا خطرہ درپیش نہ تھا۔ اب تک تو حضرت پر جسمانی حملے کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی تھی لیکن نئے سردار کی اسلام دشمنی کے باعث آہستہ آہستہ کافروں کی دست درازیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

''کوئی ایسا باہمت ہے کہ بنی فلاں کے ہاں جائے، وہاں اُونٹنی کی اوجھڑی پڑی ہوئی ہے، اسے اٹھا لائے اور محمد جب سجدے میں جائے تو ان کے اوپر ڈال دے، مزہ ہی آ جائے۔'' خانہ کعبہ کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھ کر ایک سردار نے کہا۔

صحن حرم میں اس وقت ابوالحکم عمرو بن ہشام، عقبہ بن ابی مُعَیط اور دیگر سردارانِ قریش کی مجلس لگی ہوئی تھی۔

''میں کرتا ہوں یہ کام۔'' عقبہ بن ابی مُعَیط یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں بدبودار اوجھڑی تھی۔

پھر وہ کھڑا ہو کر پیغمبر اسلام کے سجدے میں جانے کا انتظار کرنے لگا۔ جونہی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدے میں گئے، عقبہ بن ابی مُعَیط آگے بڑھا اور اس نے وہ آپ کے دونوں

کندھوں اور پیٹھ پر ڈال دی۔

یہ دیکھ کر سردارانِ قریش ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ ان کے قہقہے بلند ہو رہے تھے۔

ربّ العالمین کے آخری نبی، سردار الانبیا سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے ہی میں پڑے رہے، سر نہ اٹھایا۔

طہارت و نظافت کے پیکر پر لدی غلاظت کی پوٹ کے ساتھ اللہ کے نبی اللہ کے حضور اپنی قوم کا شکوہ کر رہے تھے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے، مگر کچھ کر نہیں سکتے تھے، دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے کہ کاش میرے اندر اپنے نبی کو بچانے کی طاقت ہوتی۔ یہاں تک کہ ننھی صاحبزادی فاطمہ آن پہنچیں اور اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس غلاظت کو ہٹانے لگیں۔

چہرۂ رسالت جلال نمایاں ہوا، اور پھر دعا کے لیے ہاتھ بلند ہوئے۔

وہ زبان جس پر دشمنوں کے لیے بددُعا نہ نکلی تھی، آج حاضرین مجلس کا نام لے لے کر یہ فریاد بلند ہوئی: "اللھم علیک بھذا الملاء من قریش۔

اے اللہ! قریش کے ان بدبخت سرداروں پر گرفت کر۔

اے اللہ ابوجہل عمرو بن ہشام کو پکڑ، عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کو پکڑ، عقبہ بن ابی مُعَیط کو پکڑ، ابی بن خلف اور امیہ بن خلف کو پکڑ۔"

بددُعا کے یہ الفاظ قریش پر اس قدر گراں گزرے کہ ان کے چہروں پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں ہوئے، کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ حرم میں مانگی دعائیں رد نہیں ہوتیں۔

یہ پہلا موقع تھا کہ اللہ کے لاڈلے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے سارے سرداروں کے نام لے لے کر ان کی پکڑ کے لیے بددُعا کی تھی اور عمرو بن ہشام جسے قریش اس کی قوتِ فیصلہ کے باعث ابوالحکم کہتے تھے، اللہ کے رسول نے اسے ابوجہل کا لقب دیا تھا۔ اس لیے کہ اس نے عقل و فہم کے ہوتے ہوئے آبائی جہالت پر ہٹ دھرمی کا اس نے ثبوت دے دیا تھا۔ گویا اب ان سردارانِ قوم پر اتمام حجت ہو چکا اور ان کے قبولِ اسلام کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی! (جاری ہے)

(☆ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں نے دیکھا کہ جن لوگوں کے نام آپؐ نے لیے تھے سب کے سب جنگ بدر والے دن کنویں میں مقتول پڑے تھے۔ بخاری)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

☆ دستک میں لائنوں کی آپ کے ساتھ آنکھ مچولی دیکھ کر ہنستے چلے گئے۔ ویسے محترم میری مانیے تو آپ مزاح پر طبع آزمائی کیجیے تو آپ کا مزاح کے ادب میں بہت نام ہوگا۔ حافظ عبدالرزاق کی 'وہ اک بوتل' پڑھ کر دنگ رہ گئے۔ 'کھیلیں ضرور' پروفیسر صاحب کی پراثر کہانی تھی۔ آمنے سامنے میں ابوالحسن کے نام کے ساتھ "سینٹرل جیل" پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا۔ اللہ تعالیٰ تمام بے گناہوں کو خیر و عافیت سے رہائی نصیب کرے، آمین۔ سرورق دیکھ کر دل سے ہوک سی نکلی کہ کاش! ایک سفر ہو ساری فیملی کے ساتھ ہو اور سفر ہو مکہ کا۔ جانباز کہانی لاجواب تھی۔ 'دروازہ کھلا ہے' ایوب اسماعیل کی تحریر پڑھ کر ہم دنگ رہ گئے۔ واللہ! ہم سکتے میں تھے، شاید ایسی آپ بیتی پہلی دفعہ پڑھی ہے۔ 'جاسوس بڑھیا' جیسی شاندار کہانی نے لطف دے دیا۔ آئے ہائے سارہ الیاس آپ کی تو کیا ہی بات ہے۔

(حفصہ کائنات بنت محمد آصف۔ ویسہ تحصیل حضرو، ضلع اٹک)

ج: سمجھ میں نہیں آتا کہ بچیاں تعریف کرتے ہوئے بھی "آئے ہائے" کیوں کرتی ہیں؟ اچھا چلیں یہ فرمائیں کہ اگر ہم آپ کی مان کر مزاح میں طبع آزمائی کریں تو کیا صرف "نام" ہوگا یا کچھ اور بھی ملے گا؟

☆ تصوراتی سفر کی روداد شروع ہوئی تو پہلی قسط کو ہم حقیقت سمجھ بیٹھے، مگر اگلی اقساط میں جب دریائے سندھ کی مزیدار مچھلی "پلا" (جو ہم نے کبھی کھائی نہیں) اور باجی فوزیہ خلیل کے ہاتھ سے بنی چٹ پٹی بریانی کھاتے ہوئے مدیر چاچو پنجاب کی حدود میں داخل ہوئے تو تب ہمیں پتا چلا کہ یہ تو فقط تخیل کی کارستانی تھی۔ ہم علی پور انٹر چینج پر آپ سب کے منتظر کھڑے رہ گئے اور آپ ملتان چلے بھی گئے۔ بس ڈیرہ غازی خان جاتے ہوئے مظفر گڑھ سے گزرتے ہوئے ہمیں سلام کر لیا۔ ویسے ہمیں بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ آپ نے ہمیں اپنے خوبصورت سفر میں ہمیں بھی یاد رکھا۔ جبکہ ہم نے تو ابھی لکھنا ہی شروع کیا ہے اور آپ نے ہمیں یاد رکھا۔ اپنی خوشی ہم الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔ آپ بہت اچھے ہیں۔ اسی طرح جب جب ہمارا خط شائع ہوتا ہے اس دن پورا دن اتنی خوشی ہوتی ہے کہ بس۔ مدرسے کی ساری تھکاوٹ اتر جاتی ہے اور آپ کے لیے اور رسالے کے لیے بہت سی دعائیں ہوتی ہیں۔ (طیبہ راؤ۔ علی پور، مظفر گڑھ)

ج: آپ سب کی خوشی ہمیں بہت عزیز ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت تک اپنی مخلوق کو خوش رکھنے کی خدمت ہم سے خوش ہو کر لے لے، آمین!

☆ مدیر بھائی کی دستک 'کیا یہ خیر خواہی ہے!؟' ہمیں اچھی طرح سمجھ میں آ گئی۔ 'مختصر پراثر' ہمیشہ کی طرح 'پراثر' تھے۔ اَن پڑھ طلبہ پڑھ کر افسوس ہوا۔ 'انگور اخر گوش' کے بارے میں پہلی دفعہ پڑھا، بہت معلوماتی تحریر تھی۔ 'پھلوں کے نرغے میں' واقعی کچھ بچے گلو کی طرح ہوتے ہیں۔ 'میں ایک لائبریری ہوں' معلوماتی تحریر تھی۔ ہمارے گھر میں ہمارے ابو کی بھی لائبریری ہے، جس میں سے میں نے صرف پندرہ کتابیں پڑھی ہیں۔ 'میر حجاز' اچھا جا رہا ہے۔ 'آمنے سامنے' میں ہمیں محمد اقراش عاصم کا خط اچھا لگا۔ اس میں رسالوں کی جلدیں بنانے والی بات اچھی لگی۔ آج سے میں بھی رسالوں کی جلدیں بناؤں گی۔ (حفصہ شمس الدین۔ ملتان)

ج: جی ہاں! جلد بندی ہی وہ واحد طریقہ ہے جس سے یہ بے بہا خزانہ اگلی نسلوں کے لیے محفوظ ہو سکتا ہے۔ خود ہمارے پاس کچھ جلدیں کم ہیں، سوچتے ہیں کہ قارئین سے درخواست کریں کہ کسی سخی قاری کے پاس دو سیٹ ہوں تو ایک ہمیں عنایت کر دے۔

☆ دستک میں مدیر مکرم مشینوں کے سامنے بے چارگی کی علامت بنے نظر آئے۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ، بے خوفی، جابر حکمران کے سامنے نڈر ہو کر، بے باکی کے ساتھ کلمہ حق بلند کرنا تاریخ اسلامی کے سنہرے ابواب میں سے ایک ورق تھا۔ "ایسی نیکی" ہاشم عارف میکاتی کی بہت کچھ سکھا گئی۔ 'میر حجاز'، قرآن کے اعجاز، فصاحت و بلاغت، کلام الٰہی کا دل پر اثر کرنا، قرآن مجید کی حقانیت اور صداقت، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت و تبلیغ سب بہترین انداز میں بتایا گیا۔ "حصہ" تحریر میں حافظ عبدالرزاق خان صاحب، گفتار کا غازی اور کردار کا غازی میں فرق بتاتے نظر آئے۔ 'جاسوس بڑھیا' ڈاکٹر سارہ الیاس خان ایک شاہکار کہانی کے ساتھ تشریف لائیں۔ شاندار اسلوب۔ دلچسپی سے بھرپور کہانی جس کو ایک بار شروع کر دیں تو ختم کرنے تک اپنے سحر میں جکڑے رہتی ہے۔ نیوز چینل والے آئے اور دوبارہ چھا گئے۔ مزاح مزاح میں

بھی بہت سے سبق بہت سکھاتے ہوئے۔ (محمد اقراش عاصم۔ میلی پیر بخش، خوشاب)

ج: وہ آئے، چھائے اور پھر چلے بھی گئے۔ پتا نہیں غیر حاضر دماغ نمائندہ اتنا "غیر حاضر" کیوں رہتا ہے؟!

☆ دستک میں ایک تصوراتی سفر کی روداد کا ذکر ہو رہا ہے۔ مسافر ملتان شریف میں پہنچ چکے ہیں۔ اس سفر میں سب سے زیادہ تذکرہ اور وقت ملتان میں گزرا، جس پر ملتان کے قارئین خوشی سی بغلیں بجا رہے ہیں اور اسے اپنی سعادت مندی سمجھ رہے ہیں۔ 'دال میں کالا' میں راقمہ نے پیشہ وار بھکاریوں کی درگت بنا ڈالی۔ 'شہزادے کا کمال' والد کی خواہش کا احترام سکھاتا سچا واقعہ۔ 'پرانی زندگی' میں ڈاکٹر اسامہ زاہد صاحب نے درختوں کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ 'آم کہانی' میں راقمہ نے کہانی سناتے سناتے شجرکاری کی دعوت دے ڈالی۔ 'بچپن کی حماقتیں' ابوبکر عباسی اپنے بچپن کی حماقتیں سناتے نظر آئے۔ 'اندر کی باتیں' میں چاند میاں ہنساتے، مسکراتے اور آخر میں آنکھوں میں تارے جھلملا دیتے حاضر ہوئے۔ 'میری لائبریری' میں محررہ نے اپنے علم دوست اور کتاب دوست ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ چچا مائل خیر آبادی ایک اور کہانی لے کر حاضر ہیں۔ 'ان کے کوچے میں' میں جناب محمد فضیل فاروق کا سفرنامہ عمرہ دلچسپ انداز اور معلومات سے بھرپور چل رہا ہے۔ (مختار احمد۔ ملتان)

ج: راقمہ اور محررہ وغیرہ بہت تکلف والے الفاظ لگتے ہیں۔ ویسے یہ بغلیں کیسے بجائی جاتی ہیں؟

☆ 'ایک لکیر ایک سبق' سبق آموز تحریر تھی۔ 'تربیت کا نتیجہ' بہت بہترین بلکہ انعام کی حق دار تحریر۔ آپ کے تصوراتی سفر کے بعد ایک اور اس طرح کے سفر کا انتظار شروع ہو گیا ہے۔ 'دیر نہیں لگتی' اچھے اخلاق کا درس دیتی یہ تحریر بہت پسند آئی۔ 'میر حجاز' تو رسالے کی جان ہے۔ 'ان کے کوچے میں' انتہائی قیمتی تحریر ایمان افروز اور قابل رشک تحریر ہے۔ 'ہمارے کان' اس سلسلے سے ہمیں اپنے جسم کے بارے میں انتہائی حیرت انگیز معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ 'پلاسٹک کی کہانی' ہمارے لیے لمحہ فکریہ رکھتی تحریر تھی۔ 'ان کے کوچے میں' مجاہدہ والی تحریر، اللہ قبول فرمائے۔ 'وقت بتائے گا' پڑھ کر خوشی ہوئی۔ 'ڈاکٹر نوید احمد کی یاد میں' اللہ پاک انھیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔ میرے خیال میں یہ تحریر پروفیسر محمد اسلم بیگ نے لکھی ہے۔ (ام احمد سعید۔ پنڈی گھیب)

ج: جی ہاں! آپ کا اندازہ بالکل ٹھیک ہے۔ ہم نے اپنی دستک میں 'تصوراتی سفر کی روداد' میں یہ بات بتا بھی دی تھی۔

☆ بچوں کا اسلام میں میرا خط شائع ہوا، آپ کا بہت شکریہ۔ اتنی زیادہ خوشی ہوئی کہ بتا نہیں سکتی۔ خواتین کا اسلام میں تو کئی دفعہ شائع ہوا ہے لیکن بچوں کا اسلام میں پہلا خط تھا۔ اسی طرح خوش رکھا کریں۔ بہت مشکل سے وقت نکالتی ہوں کہ اپنے شوق کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ بس آپ سے گزارش ہے لاج رکھا کیجیے ہمارے شوق کا۔ (اہلیہ مولانا عمران۔ قائد آباد، کراچی)

ج: جی اپنی سی پوری کوشش تو کرتے ہیں کہ بہنیں، بھتیجیاں، بھانجے، پھوپیاں سب خوش رہیں!

☆ شمارہ ۱۰۹۲ میں 'سوفٹ ڈرنک پینے جتنا صدقہ' نے صدقے کی ترغیب دی۔ 'پلاسٹک کی کہانی' نے 'پلاسٹک کے نقصانات اور اس کے صحیح مصرف سے آگاہ کیا۔ 'وقت بتائے گا' نے اچھا سبق بھی دیا اور ہنسایا بھی۔ 'بلی اور ہم' نے محظوظ کیا۔ ہم بھی ایک وقت بلی سے بہت تنگ تھے۔ ہمارے اوپر کے پورشن میں ہال سے نیچے آنے والی زینوں پر دروازہ نہیں تھا، آخر دروازہ لگا کر اس سے جان چھوٹی۔ 'پانچ فرق تلاش کریں' میں چار تو مل گئے ایک رہ گیا۔ (ع، ز۔ ام رمیصاء۔ پشاور)

ج: جو ایک رہ جاتا ہے، اسی کو ڈھونڈنے میں تو پھر لطف آتا ہے۔

☆ شمارہ ۱۰۹۳ میں 'صبح کی ہوا لاکھوں کی دوا' پڑھ کر ہم نے بھی صبح کی سیر شروع کر دی۔ 'دال میں کالا' فرزانہ چیمہ کی کہانی زبردست تھی۔ استاد محترم کو میرا سلام کہنا' نظم استاد کی عظمت کو سلام پیش کر رہی تھی۔ 'پرانی زندگی' بھی اچھی تحریر تھی۔ 'آم کہانی' جیسی کہانیاں وقتاً فوقتاً چھپتی رہنی چاہییں۔ 'ایڈیٹری کا جواب' واہ ایڈیٹر نے کیا ہی زبردست جواب دیا، مزہ آ گیا۔ جس طرح کھانے میں نمک نہ ہو تو کھانا مزہ نہیں دیتا اسی طرح رسالے میں آمنے سامنے نہ ہو تو رسالہ پھیکا سا لگتا ہے۔ 'شہزادے کا کمال' تحریر میں شہزادے نے واقعی کمال کر دیا۔ ایسی تحریریں پڑھ کر مجھے حفظ کرنے کا بہت شوق ہوا ہے۔ تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔ (بنت ملک اشرف۔ گڑھا موڑ)

ج: یعنی آمنے سامنے نمک کا درجہ رکھتا ہے۔ دعا ہے کہ آپ کے دل کو اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام کے لیے ایسے چن لے کہ ہمیشہ دل اس سے لگا رہے، آمین!

☆ شمارہ ۱۰۹۵ یوم آزادی کے تناظر میں لکھی جانے والی کہانی 'گردیپ سنگھ' بہترین ہے۔ 'جو شخص چاہے' میں آداب سفر سمجھائے گئے ہیں۔ 'میر حجاز' کے لیے ایک صفحہ بہت کم لگتا ہے۔ 'وقت لگتا ہے' میں نئے لکھاریوں کو حوصلہ دلایا گیا ہے۔ 'ان کے کوچے میں' زبردست داستان ہے۔ 'مسکراہٹ کے پھول' معیاری نہیں تھے۔ میرا مضمون 'اک ملاقات تھی جو دل کو سدا یاد رہی' چھپنے پر کئی قارئین نے میرا تعارف پوچھا ہے۔ میں نے جلالین شریف تک دارالعلوم عیدگاہ کبیر والہ اور پھر موقوف علیہ اور دورہ حدیث شریف جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا سے ۱۹۸۲ء میں کیا۔ چک 52/WB غربی وہاڑی میں امام وخطیب مسجد اور گورنمنٹ اسکول میں مدرس عربی ہوں۔ کسی مدرسے میں کبھی تدریس نہیں کی۔ میری بیٹی بنت مولوی شبیر احمد کے نام سے بچوں کا اسلام اور خواتین کا اسلام میں لکھتی ہے۔

(مولوی شبیر احمد۔ وہاڑی)

ج: ماشاء اللہ! ۸۲ میں تو ہماری شعور کی آنکھ بھی نہ کھلی تھی۔ مدرسے میں نہ سہی، آپ سے اللہ میاں اسکول میں دین کا بڑا کام لے رہا ہے۔ سلامت رہیں۔

☆ شمارہ ۱۰۹۳ میں آپ بولے نہ ہم کچھ کہہ سکے۔ جی ہاں! 'دستک' اور 'آمنے سامنے' دونوں غائب تھے۔ پہلے دو صفحوں پر جانوروں کی وفاداری کے متعلق دو تحریریں تھیں۔ کچھ سوچ کر ہم نے یہ دونوں تحریریں اپنی طوطا چشم بلی کو سنائیں لیکن اس پر ذرا اثر نہ ہوا۔ اس کا کہنا تھا کہ تحریروں میں ہاتھی اور گھوڑے کا ذکر ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اپنی بلی کی وفاداری پر بھی کوئی کہانی لکھیں۔ فرزانہ چیمہ کی تحریر 'دال میں کالا' کے آخر میں ساری دال ہی کالی نکلی۔ ڈاکٹر اسامہ زاہد کی اکثر کہانیاں مستقبل بعید پر مشتمل ہوتی ہیں، پھر یاد آیا کہ وہ حصول تعلیم کے لیے بیرون ملک گئے ہوئے ہیں۔ اگر یہاں ہوتے تو مستقبل کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔ ماضی کو یاد کر کے کہانیاں لکھتے۔ نظم 'ایڈیٹر کا جواب' میں ایڈیٹر نے جو کچھ کیا اسے پڑھ کر ہمیں اپنی لاپتا کہانیاں یاد آنے لگیں۔ کہیں آپ نے بھی تو ایسا کچھ نہیں کیا۔ (محمد وقاص۔ جھنگ صدر)

ج: اچھا تھا، مزیدار تھا، پرلطف تھا آپ کا یہ تبصرہ۔ دستک اور آمنے سامنے کی غیبوبت کو آپ نے "آپ بولے نہ ہم کچھ کہہ سکے" سے خوب واضح کیا۔ اچھا کوئی اور کیوں، بلی آپ نے پالی ہے تو کہانی بھی آپ ہی لکھیے ناں۔ کچھ ایسی ہی اچھی سی، مزیدار سی، پرلطف سی!

☆☆☆

صحبت کے اثرات

ٹشو پیپر کا ایک دلچسپ تجربہ آپ نے بھی شاید بچپن میں کیا ہو۔

ایک جگہ تھوڑا سا پانی گرائیں، اس پانی کے ایک طرف ٹشو پیپر کا ایک کونا رکھ دیں۔

اس کونے کے علاوہ باقی سارا ٹشو پیپر پانی سے باہر ہوگا۔

تھوڑی دیر بعد دیکھیے گا کہ ٹشو پیپر کا ایک بڑا حصہ گیلا ہو چکا ہے۔ بہت خاموشی کے ساتھ پانی ٹشو پیپر میں سرایت کرتا جائے گا۔

سرایت کرنے کا یہ عمل نہایت خاموشی اور سرعت کے ساتھ بہت دلچسپ نظر آتا ہے۔

اس عمل کو سائنسی اصطلاح میں (Capillary Action) کہا جاتا ہے۔

یہی حال نیک صحبت یا بری صحبت کا ہے۔

آپ تھوڑا وقت گزاریں یا زیادہ، صحبت کے اثرات انتہائی آہستگی سے آپ کے دل پر مرتب ہوں گے، کچھ اس خاموشی سے کہ ابتدا میں آپ کو معلوم بھی نہ ہو پائے گا۔

جتنی زیادہ صحبت، اتنے زیادہ اثرات۔

اس لیے اپنی صحبت پر کڑی نگاہ رکھیے۔

مرسلہ: مریحہ طارق

حافظ محمد حسان ریاض۔ اڈا پل مراد چشتیاں

چشتیاں شریف

پاکستان کا ۵۹ واں بڑا شہر ''چشتیاں شریف'' صوبہ پنجاب کے ضلع بہاولنگر کی پانچ تحصیلوں میں سب سے بڑی اور قدیم تحصیل ہے۔ یہ دارالحکومت اسلام آباد کے جنوب میں تقریباً ۶۰۰ کلومیٹر دور، ستلج کے قریب آباد ہے۔ دریائے ستلج چشتیاں سے کم وبیش دس کلومیٹر کے فاصلے پر بہتا ہے۔

ضلع بہاولنگر کی دیگر چار تحصیلیں: تحصیل بہاولنگر، تحصیل فورٹ عباس، تحصیل ہارون آباد اور تحصیل منچن آباد ہیں۔

چشتیاں تحصیل میں ۲۹ یونین کونسلیں ہیں۔ ۲۰۱۷ء کی مردم شماری کے مطابق چشتیاں کی آبادی (149424) نفوس پر مشتمل تھی، جبکہ اب یہ آبادی (غیر مصدقہ طور پر) سات لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ جہاں تک رقبے کی بات ہے تو چشتیاں کا رقبہ سترہ مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے۔

چشتیاں ایک قدیم شہر ہے۔ اس کا قدیم نام ''گڑھ بھٹیاں'' تھا، لیکن مشہور صوفی بزرگ بابا فریدالدین گنج شکر رحمہ اللہ تعالیٰ کے پوتے حضرت بابا تاج سرور چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام افغانستان کے مشہور قصبے چشت اور اپنے روحانی سلسلے چشتیہ کی نسبت سے ''چشت شریف'' رکھا جو آہستہ آہستہ چشتیاں شریف ہو گیا۔

۱۷۲۷ء نواب صادق اول کے دور میں چشتیاں کو بہاول پور کا حصہ بنا دیا گیا تھا۔ نواب صادق خاں پنجم کے دور حکومت میں ستلج ویلی پراجیکٹ کے تحت جدید نہری نظام قائم ہوا اور چشتیاں منڈی میونسپل کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ بے آباد زمینوں کی منظم آبادکاری اور ریلوے کے جدید نظام نے چشتیاں کو برصغیر کے دور دراز علاقوں سے منسلک کر دیا اور تعمیر و ترقی کے سنہرے دور کا آغاز ہوا۔ یہاں ۱۸۸۸ء میں ریلوے اسٹیشن قائم ہوا تھا لیکن اب حکومت کی لاپروائی کی وجہ سے کئی برسوں سے بند ہے۔

اہم دینی و عصری تعلیمی ادارے:

عباسی حکمرانوں کی تعلیمی ویژن کی بدولت چشتیاں میں دینی و عصری تعلیم کے کئی ادارے قائم ہوئے۔ (۱) مدرسہ مظاہر العلوم (۲) گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج (۳) گورنمنٹ گرلز کالج (۴) گورنمنٹ ایلیمنٹری کالج (۵) دانش اسکول برائے طلبہ و طالبات (۶) کامرس کالج (۷) اسکول برائے معذور افراد (۸) ایشین کالج برائے ٹیکنالوجی (۹) پنجاب گروپ آف کالجز۔ چشتیاں کی علامہ اقبال میونسپل لائبریری بھی ضلع بھر میں اپنی مخصوص پہچان رکھتی ہے۔

اہم صنعتی ادارے:

(۱) آدم شوگر ملز لمیٹڈ چشتیاں۔

یہ شوگر مل چشتیاں کے شمال میں قریب تین کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ جب بنی تھی اُس وقت کی ایشیا کی تیسری بڑی شوگر مل تھی۔

(۲) چشتیاں فلور ملز چشتیاں (شان آٹا)

اہم مقامات:

شہر کے وسط میں ایک بہت خوب صورت سنٹرل پارک اور سفاری پارک قائم ہے۔

چشتیاں شہر کا قبرستان مکلی ٹھٹھہ کے بعد پاکستان کا دوسرا بڑا اور قدیم قبرستان ہے جس کا رقبہ ۱۴۰۰ ایکڑ پر مشتمل ہے، جہاں گزشتہ آٹھ صدیوں سے تدفین جاری ہے۔

چشتیاں اولیائے کرام کے حوالے سے بھی شہرت رکھتا ہے۔ یہاں جو محترم اولیاء اللہ گزرے ہیں، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت بابا تاج سرور (۲) حضرت خواجہ نور محمد مہاروی (۳) حضرت باباشاہ بخاری (۴) حضرت بابا یار محمد مہاروی (۵) حضرت سخی شوق الٰہی۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

اہم مقامات میں درج بالا بزرگوں کے مزارات بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ان ولیوں میں اوّل الذکر حضرت تاج سرور بابا فریدالدین گنج شکر کے پوتے تھے۔ آپ کے والد خواجہ بدرالدین تھے۔ والد کی وفات کے بعد آپ سجادہ نشین بنے۔ ریگستان کے بیکانیر اور جیسلمیر علاقے کے بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ آپ کی تبلیغی مساعی ہی کی وجہ سے علاقے کے راجپوت آپ سے بغض رکھنے لگے، سو ایک دن موقع پا کر انھوں نے آپ کو شہید کر دیا۔

داہرانوالہ، مہار شریف، بخشن خان، چشتیاں کے معروف قصبات میں شامل ہیں، جبکہ شہر فرید کی دستی کھڈیاں پر بنائے گئے لاچے دنیا بھر میں اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں، جہاں تک کھانے پینے کے حوالے سے سوغات کی بات ہے تو چشتیاں شہر کی برفی اور کڑاہی گوشت اطراف کے شہروں میں مشہور ہے۔

چشتیاں شہر میں لکڑی کی ایک بہت بڑی منڈی بھی واقع ہے، جس سے پورے پاکستان میں لکڑی سپلائی کی جاتی ہے، خاص طور پر چنیوٹ کو۔

ہمارے سوہنے شہر میں کئی عظیم دینی ادارے قائم ہیں، جن میں مدرسہ مظاہر العلوم چشتیاں کے علاوہ بھی کئی دینی اداروں میں دورہ حدیث شریف تک بنین و بنات کو تعلیم دی جاتی ہے۔ چشتیاں کا پی ٹی سی ایل ایریا کوڈ (063)، جبکہ پوسٹل (ZIP) کوڈ (62350) ہے۔

مدیر چاچو اور قارئین کو دعوت عام ہے کہ ہمارے سوہنے شہر چشتیاں شریف آپ تصور میں نہیں آئے تو حقیقت میں ضرور تشریف لائیں۔ آپ سب کو بہت مزا آئے گا۔

☆☆☆